بسم الله الرحمن الرحيم

امامت

حجۃ الاسلام والمسلمین محسن قرائتی

نام کتاب . . . . امامت

مصنف . . . . حجۃ الاسلام و المسلمین محسن قرائتی

مترجم . . . . قربان علی

ایڈیٹ . . . . سید شجاعت حسین

کمپوزنگ . . . . سید مجتبیٰ حسن رضوی کشمیری

ناشر . . . . سازمان فرہنگ و ارتباطات (شعبۂ ترجمہ واشاعت)

سال طبع . . . . شوال ۱۴۱۷ھ

تعداد ۵۰۰۰

ISBN 964-472-027-X

فہرست

فہرست ۵

امامت

کیا امامت اصول دین میں ہے ۱۵
امامت اصول دین میں ہے ۱۶
نتیجۂ بحث ۱۹
امامت کا توحید سے رابطہ ۲۰
مثال ۲۱
امام کی ضرورت ۲۲
کیا قرآن کافی نہیں ہے ۲۲
سچ بتائیں ۲۶
کردار امام (الف) ۲۷
کردار امام (ب) ۲۸

قیامت میں سایہ امامت ۲۹
دوگنی سزائیں ۳۰
ایک بہت ہی دلچسپ حدیث ۳۰
امام کی یاد ۳۱
امام کے معنی پر ایک نظر ۳۲
ایک دوسرا کردار امام ۳۲
حدیث میں کردار امام ۳۳
مقصد امام ۳۵
امام نے فرمایا ۳۶
دوسری جگہ فرماتے ہیں ۳۷

امام کی نشانیاں

علامتیں ۳۹
مثال ۴۰
اقوال رسولؐ اسلام ۴۵
کیوں رسولؐ کی تمام محنتیں بے کار گئیں ۴۸
جواب ۴۸
احقاق حق ۵۰
صفات امام ۵۱

عصمت ۵۱
کشادہ دلی ۵۲
عدالت ۵۳
امام اپنی ہوا وہوس پر قابو رکھتا ہو ۵۴
امام صاحب فضیلت ہو ۵۵

امام کے دوسرے صفات

قرآن کے مطابق حکم کرے ۵۷
امام مہربان ترین شخص ہو ۵۷
زھد و تقوی ۵۸
امام کے یہاں شک و تردید نہیں ہے ۵۹
امام پر ملامتیں اثر نہیں کرتی ہیں ۵۹
امام کو پیشگام ہونا چاہیے ۵۹
امام کو بے تکلف ہونا چاہیے ۶۰
امام چاپلوس نہ ہو ۶۱
امام تاریخ سے آگاہ ہو ۶۲
اپنے مقام سے ہوء استفادہ نہ کرے ۶۲
لوگوں کی شکایات کو پہنچے ۶۳
صبر و یقین ۶۳

آزادی ۶۳
مادی توقعات نہ رکھتا ہو ۶۴
صفات امام کا دوسرا گوشہ ۶۴
امام کی صفتیں ۶۵
امام اور حقوق میں مساوات ۶۵
منافع اسلام کی حفاظت ۶۶

شیوۂ انتخاب

طریقہ تعیین رہبر و امام ۶۷
تلخ تجربے ۷۰
ہر فیصلہ حق نہیں ہوتا ۷۵
دنیا میں انتخاب کے طریقے ۷۶
تنہا خدا کی طرف سے امام کا انتخاب ہونا چاہئے ۷۷
تلخ تجربات ۷۸
ایک دلچسپ نکتہ ۸۲
ایک اور تلخ تجربہ ۸۳
انتخاب کے طبعی نقائص ۸۳
راہ حق ۸۵
ابوعلی سینا کا بیان ۸۵

وہ جنگیں جہاں انتخاب نہیں ہے ۸۶
انتخاب راہ حق ۸۷
بہترین شخص کا انتخاب ۸۹
ایک سوال ۹۰
جواب ۹۱

چند فضیلتیں

علیؑ اور اہلبیتؑ کے کچھ فضائل ۹۳
ایک اور داستان ۹۵
وہ کام جو ملائکہ بھی نہ کر سکیں ۹۶
امام کا گھر نزول ملائکہ کی جگہ ہے ۹۷
کیوں علیؑ کا نام قرآن میں نہیں ہے ۹۸
فضائل علیؑ کے گوشہ کی فہرست ۹۸

امام و امت کے حقوق

امام و امت کے متقابل حقوق ۱۰۱
امت کی ذمہ داریاں ۱۰۳
حج کا اہم ہدف ۱۰۴
تنوری شیعہ ۱۰۵

ایک جھوٹا شیعہ ۱۰۶
امامت معصومینؑ کی کیسے تضعیف ہوئی ۱۰۶

ستم بالائے ستم

مظالم ۱۰۹
اقتصادی ظلم ۱۰۹
تہمتیں ۱۰۹
رقیب تراشی ۱۱۰
فکری اور فرہنگی ظلم ۱۱۰
بہی خواہوں کو محروم کرنا ۱۱۰
جھوٹ باندھنا ۱۱۰
تحریف و توجیہ ۱۱۱
مسیر عوض کر دی گئی ۱۱۱
عالم کی جگہ جاہل ۱۱۱
کینے اور بہانے ۱۱۲
امام کی کنارہ کشی ۱۱۲
کیا امام کو چھوڑنے میں صلاح تھا ۱۱۳
کتنے ظلم ہوئے ۱۱۴
ثقافتی مظالم ۱۱۵

شیعوں پر مظالم اور تہمتیں ۱۱۶
کیا اکثر لوگ حق کو چھوڑ سکتے ہیں ۱۱۷
اس قدر نمازوں اور جہاد کے باوجود کیسے منحرف ہو سکتے ہیں ۱۱۸
شیعہ اور سنی نظرے ۱۱۸
صحیح اور غلط رہبری ۱۲۰
اولی الامر کون ہیں ۱۲۲

ولایت فقیہ ، راہ امامت کا ایک سلسلہ

ولایت فقیہ ۱۲۵
ولایت فقیہ کا کردار ، امامت کا کردار ہے ۱۲۶
ولایت فقیہ اور اس کا کردار ۱۲۷
کیا ولایت فقیہ کا قبول کرنا ، طاقت کے متعدد مرکز کا باعث ہے ۱۳۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

امامت شیعی مذہب کے نقطہ نظر سے دین کے اصول میں سے ہے۔ اگرچہ عالم اسلام میں دین کے اصول صرف توحید، نبوت، اور معاد یعنی قیامت میں ہی خلاصہ ہوتے ہیں لیکن جس طرح ہمارے یہاں توحید کے ساتھ عدل الٰہی بھی دین کی ایک اصل ہے۔ یوں ہی نبوت کے ساتھ امامت بھی اصول دین میں سے ہے اور درحقیقت امامت کے اعلان کی پہلی منزل سے یہ بات سامنے آجاتی ہے۔ امامت نتیجۂ رسالت، تکمیل دین اور اتمام نعمات الٰہی کا بنیادی ذریعہ اور سبب ہے اور اس کے بغیر نہ رسالت کامل ہو سکتی ہے اور نہ دین اسلام سے خدا راضی اور خوشنود ہوتا ہے۔

"غدیر خم" میں پیغمبر اکرمؐ کی جانب سے امامت کی پہلی فرد یعنی حضرت علی علیہ السلام کا اپنے جانشین کی حیثیت سے تعارف کرائے جانے کے بعد قرآن کریم اپنے الفاظ میں اسے دین کی تکمیل، نعمتوں کے تمام ہونے اور خدا کی رضا کا ذریعہ

یوں قرار دیا کہ ارشاد ہوا : "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی رضیت لکم الاسلام دیناً" (سورہ مائدہ) قارئین کرام "امامت" کے موضوع پر سادہ اور عام فہم انداز میں لکھی گئی تحریر کو ضرور پسند فرمائیں گے۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امامت

کیا امامت اصول دین میں ہے ؟

(لغت کی) کتاب مفردات میں امام کے معنی پیشوا کے ہیں اور جس کی پیروی کی جائے اس کو امام کہتے ہیں . خواہ وہ کتاب ہو یا انسان یا حق ہو یا باطل اور اس کی جمع آئمہ ہے .

اب جب کہ ہم ہیں امام کے معنی معلوم ہو گئے تو مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہیں اور یہاں چند آیات و روایات اور ان کے ترجمہ کو ہم نقل کرتے ہیں قارئین پر چھوڑ دتے ہیں :

۱ ۔ غدیر خم کے سلسلہ میں قرآن مجید حضرت محمد مصطفٰےؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے " یا ایھا الرسول بلـّغ ما انزل ا لیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ....." (مائدہ/۶۷)

اے رسولؐ ! جو کچھ " حکم " تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہو چکا ہے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو " سمجھ لو کہ " رسالت کا کوئی کام تم نے

انجام نہیں دیا ہے خدا وند عالم تمہیں تمام احتمالی خطرات سے محفوظ رکھے گا .

اس کے با وجود کہ سورہ مائدہ آخری سورہ ہے ، جو آنحضرتؐ کی عمر شریف کے اوا خر میں نازل ہوا ہے ، اور باوجود اس کے کہ آپؐ متواتر کئی سالوں سے توحید، شرک ، بت شکنی، رسالت، قیامت اور نماز سے متعلق مسائل لوگوں کو بتاتے آئے تھے ، اور اس کے باو جود کہ جہاد ، روزہ ، خمس اور زکوۃ کا حکم ۲ھ میں آ چکا تھا .

لیکن اب جب کہ آپؐ کی عمر کے آخری ایام ہیں اور ۱۰ھ ہے سورہ مائدہ نازل ہوتا ہے اور اس طرح رسولؐ کو تہدید و تاکید کرتا ہے .

اور اس کے با وجود کہ رسولؐ ایک بزدل اور ڈر پوک انسان نہیں تھے ور نہ اگر ڈرنا ہی تھا تو بعث کے شروع کے سالوں میں ڈررتے کیونکہ آپ تنہا تھے مگر زندگی آخری مرحلہ میں تو ہزاروں محبت کرنے والے موجود تھے ، اور آیت میں ارشاد ہے کہ ڈرو نہیں، ہم تمہاری حفاظت کریں گے .

اور اس کے با وجود کہ جگہ قافلوں کے جدا ہونے کی جگہ ہے ، موسم اور ہوا شدید گرم ہے اور رسولؐ کی عمر کا آخری سال ہے ، ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پیغام رسولؐ کو پہنچانا ہے ایک ایسے موضوع کے سلسلہ میں ہے کہ آنحضرتؐ منافقین شدد مخالفت سے ہراساں ہیں .

جی ہاں ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مذکورہ آیت (مائدہ/ ۶۷) کسی اہم پیغام کے بارےمیں ہے اور وہ پیغام رسول خداؐ کی

جانشینی اور امت اسلامی کے لئے معصوم رہبری کا مسئلہ ہے اصحاب رسول خداؐ میں سے بہت سے لوگوں نے جنہیں تمام مسلمان بھی مانتے ہیں اس واقعہ کو نقل اور بیان کیا ہے کہ یہ آیت ماجرائے غدیر خم اور مسئلہ جانشینی سے متعلق ہے، البتہ بیشتر آشنائی کے لئے کتاب الغدیر اور فارسی زبان جانے والے برادران ، تفسیر نمونہ جلد پنجم کے صفحہ ۵ پر رجوع کرسکتے ہیں .

امامت اصول دین میں ہے

۱ ۔ جو چیز ہماری نظر میں ہے وہ یہ کہ خدا وند عالم پیغمبر اسلامؐ کو تنبیہ اور تہدید کرتا ہے کہ (اے رسولؐ) اگر حق کے جانشین کی معرفی اور نصب کرنے میں ذرا بھی کوتاہی ، اور منافقین کی مخالفت کی وجہ سے تساہلی کی تو گویا الٰہی رسالت کا کوئی کام انجام ہی نہیں دیا ہے .

لہذا ہم کو آیت کے لب و لہجہ اور رسول اکرمؐ کی جانشینی سے متعلق تمام حکم الٰہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امامت اصول دین سے ہے .

۲ ۔ وسائل الشیعہ جلد اول کی ۳۹ ویں حدیث اور کتاب سترک کی ۱۷ ویں حدیث میں ہے کہ بناء و اساس اسلام چند چیزوں پر قائم ہے جن میں سے اساسی ترین ولایت و رہبری ہے اور ہم اس کی بعض تعبیرات سے ایک گوشہ یہاں بیان کرتے ہیں :

الف ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں : اسلام کی بنیاد نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج اور ولایت پر قائم ہے . امام محمد باقرؑ کے خاص صحابی زرارہ نے پوچھا

ان میں سے کونسا ستون اہم ہے ؟

امام نے فرمایا ، ولایت سب سے اہم ہے ۔ اور اس کی علت آپ بیان فرماتے ہیں ، " لا نها مفتا حهن والوالی هو الدلیل علیهن "

کیونکہ ولایت ، نماز ، روزہ اور حج کی کنجی ہے اور ان تمام مسائل کی رہبری کا ولی کرتا ہے ۔ البتہ ولایت سے مراد امام معصوم کی اطاعت ہے اس لئے کہ بعض روایات میں کلمہ ولایت کی جگہ اطاعت امام کی لفظ آئی ہے ۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ نماز ، روزہ حج و زکوۃ میں سے ہر ایک جسمانی اور مالی امکانات نہ ہونے کے سبب قابل تغیر ہیں۔ لیکن رہبری حق کے قبول کرنے کا مسئلہ ہر حال میں کرتا ہے وہ قابل تغیر نہیں ہے ۔ ۔

اس کے علاوہ حضرت رسول اکرمؐ نے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کا موضوع بیان کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کو جمع کرکے مجمع عام میں فریاد نہیں کی ہے لیکن امام کی معرفی اور نصب کرنے کے سلسلہ میں غدیر خم کے چٹیل میدان میں مرکز یت اور اجتماع مردم کی خاطر مدتوں صبر کیا ہے اور جیسے ہی ایک جگہ سب لوگ جمع ہوئے معصوم کی رھبریت کا مسئلہ بیان کردیا ہے ۔

چھوڑیں لوگوں نے اصلی مسئلہ سے گریز کیا ہے ۔ میری یاد داشت سے کبھی حذف نہ ہوگا کہ جب میں خانہ خدا کا طواف کررہا تھا تو میں نے کعبہ پر نگاہ کی اور سوچ میں ڈوب گیا کہ یہ کعبہ مادر علیؑ کاز چہ خانہ اور حضرت علیؑ کا گہوارہ ہے اور یہ حضرت علیؑ ہی تھے کہ جنھوں نے بام کعبہ سے بتوں کو اوندھے منھ گرایا ہے ،

اس کے بعد میں نے طواف کرنے والوں پر نظر روڑائی کہ کیسے لوگوں نے نومولود بچہ کو گھوارہ سے نکال باہر پھینکا ہے اور گھوارہ کا چکر کاٹ رہے ہیں.

۳ ۔ تیسری دلیل جو اہمیت امامت پر پیش کی جاسکتی ہے ایک معروف حدیث ہے کہ " من مات و لم یعرف امام زمانه مات میتة الجاهلية " (جو شخص مرجائے اور اپنے امام یا اس کی راہ و روش کی نسبت کوئی آشنائی نہ رکھتا ہوگویا وہ جاھلیت کی صوت اور ظہور اسلام سے پہلے دنیا سے چلا گیا ہے) .

۴ ۔ اصول کافی ج ۳ میں ہے کہ جو لوگ اپنے رہبر حق کی معرفت کے بغیر زحمت اٹھاتے اور اعمال بجالاتے ہیں . ہرگز (وہ لوگ یا ان کے اعمال) خدا کو قبول نہیں ہیں . وہ مثل اس شخص کے ہیں جو کسی حکم کے بغیر کسی ادارہ کے لئے کچھ چیزوں کی خر یداری کرے تو وہ ہرگز مسئولین کی طرف سے کسی مہربانی و لطف کا مستحق نہ ہو گا جی ہاں اسلام میں اہداف جوش و جذبات اور رھبریت جیسے مسائل کو اصالت اور فوق العادہ اہمیت دی گئی ہے.

نتیجۂ بحث

میرے عزیز قارئین :- مذکورہ چاروں دلیلوں پر اجمالی نظر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آیا اسلام میں رہبریت کا مسئلہ اصول دین میں ہےیا فروع دین میں زیادہ دور نہ جائیں توحید زمانی ایک ایسی توحید ہےکہ معاشرہ کا حاکم ایک معصوم رھبر ہونا چاہیے ورنہ توحید کے بجائے طاغوت پلیں گے . نبوت اور انبیاءؑ کا قانون اس وقت تک اپنی جگہ پر قاہم ہے کہ جب تک اس کی حفاظت معصوم رہبر کرے ورنہ

آسمانی تمام قوانین خرافات، تحریفات، بدعتوں اور شخص سلیقوں سے مخلوط ہو کے رہ جائیں گے اور وحی آسمانی کا کوئی اعتبار نہ ہو گا۔

قیامت کو سمجھنا اور اس کے ملکوتی مسائل پر آگاہی پیدا کرنا بھی سوائے امام کے ممکن نہیں ہے اگر ہم اپنی عقل سے کام لیں تو اتنا سمجھ میں آئے گا کہ معاشرہ قانون اور رهبریت کے بغیر کسی جنگل کے برابر ہے۔ قانون اور رهبریت ایک دوسرے سے جدا ہونے کے قابل نہیں ہیں لہذا اس لحاظ سے نظام معاشرہ اور قوانین کی پائداری و حفاظت کے سلسلہ میں مسئلہ امامت و رہبری اور اس کے کہ دار میں کسی طرح کی جائے تردید اور گفتگو نہیں ہے۔

امامت کا توحید سے رابطہ

جس وقت حضرت امام رضا علیہ السلام شہر نیشاپور سے گذر رہے تھے تو چاہنے والے آپ کے پاس آئے اور ایک حدیث بیان کرنے کی درخواست کی تو امام نے وہ حدیث بیان فرمائی آپ نے اپنے پدر بزگوار سے اور انھوں نے اپنے پدر بزر گوار سے یہا ں تک کہ رسول اکرمؐ نے جبرئیل سے اور انھوں نے خدا وند عالم سے یں طرح نقل کیا : " کلمة لا اله الا الله حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی" (توحید میرا قلعہ ہے جو شخص اس میں داخل ہو گیا میرے عذاب سے بچ گیا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے یہ حدیث نقل فرمائی اور روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دور چلے ہو نگے کہ لوگوں نے دیکھا کہ امام فرمار ہے : "بشروطهاوانامن شروطها"(بحار،ج ۳ جدید ایڈیشن)

توحید اپنی کچھ شرائط کے ساتھ الہی قلعہ ہے اور میں ان شرائط میں سے ایک ہوں۔ یہاں امام نے توحید و امامت کے درمیان شرط و شروط کا رابط قرار دیا ہے. ایسا رابط جو گاڑی اور اس کے پہیوں کے درمیان ہوتا ہے یا وضو اور نماز کے درمیان ہوتا ہے، پس امامت کے بغیر لوگوں کی توحید کا عقیدہ خطرہ میں ہے جب تک توحید ہے معصوم کی رہبری بھی ہے اور وہ بھی ایک زندہ و رہبری.

مثال

اگر ڈاکٹر اپنے مریض کو حکم دے کہ اس انجکشن کو یا فلاں ٹیبلیٹ کو کھاو تو مریض ڈاکٹر کے اس طرح کہنے سے سمجھ جائے گا کہ ضرور ٹابلیٹ اور انجکشن کی ترکیبی کیفیت کا اثر ایک ہے کیونکہ دونوں کا نتیجہ وہی بہبودی اور سلامتی ہے.
کتاب تفسیر نور الثقلین اور بحار الانوار میں یہ حدیث موجود ہے: "ولایۃ علی بن ابیطالب حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی" (سفینۃ البحار کلمہ "ولی") حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی رہبری خدا کا قلعہ ہے جو شخص اس میں داخل ہو گا عذاب سے بچ جائے گا.

توجہ کریں کہ توحید کی بھی تعبیر قلعہ سے ہوئی ہے اور ولایۃ علی ابن ابی طالبؑ کی بھی تعبیر قلعہ سے کی ہے اور دونوں کا نتیجہ بھی ایک ہے جو خدا کے عذاب سے نجات ہے. اس ایک تعبیر سے امامت اور توحید کے درمیان کسی گہرے رابطہ کا پتہ چلتا ہے. جی ہاں اگر ہم نے حضرت علیؑ کی رہبری کو قبول کر لیا تو وہ ہم میں خدا کی طرف دعوت دیں گے اور اگر ہم نے خدا سے رہبری مانگی تو وہ علیؑ کی رہبری کی

طرف ہماری رہنمائی کرے گا.

امام کی ضرورت

جس دلیل سے ہمیں کسی رسول کی ضرورت ہے اسی دلیل سے ہم میں امام کی بھی ضرورت ہے اگر انسان ہدایت پانے میں خود کفیل ہوتا تو انبیاءؑ کی اسے ضرورت نہ ہوتی ، ہم نے اس سے قبل کے مسودہ میں جو نبوت سے متعلق تھا کچھ دلائل بیان کئے ہیں .

کیا قرآن کافی نہیں ہے ؟

قرآن ایک ایسی کتاب ہے کہ تمام لوگ اور فرقے اس کی آیتوں کو ایک دستاویز کی حیثیت سے جانتے ہیں اور ہر گروہ اس سے اپنے فائدہ کی چیز اخذ کر کے استدلال کرتا ہے تو اس حالت میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کسی امام کے بغیر معاشرہ کی اصلاح میں کافی ہے ؟

کیا طبی کتاب کسی ڈاکٹر کے بغیر مریضوں کا علاج کر سکتی ہے ؟!

کیا قانون کسی حاکم ، اور قانون شناس کے بغیر تنہا کافی ہے ؟

کیا ہر ایڈیو لوجر نہیں چاہتی ہے ؟!

کیا قبول کیا جاسکتا ہے کہ انسان کی خلقت کا مقصد تو عبادت اور خدا کے راستہ پر گامزن ہونا ہو لیکن اس سلسلہ میں کوئی راہ شناسی درکار نہ ہو ؟!

کیا قبول کیا جاسکتا ہے کہ انسان ، ایک انسانی بلند مقام پر پہنچنے کا عاشق تو ہو

لیکن خارج میں ایسا کوئی معشوق نہ پایا جاتا ہو ؟!

کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر باطنی احساس کیلئے ایک ظاہری اور خارجی واقعیت پائی جاتی ہے جس کا وہ احساس کرتی ہے. مثلاً اگر ہم اپنے اندر تشنگی کا احساس کرتے ہیں توہمارے بدن سےالگ خارج میں پانی موجود ہےجو اس احساس کاجواب ہے .

گویاآپ اپنے تمام باطنی احساسات کیلئےجواب تلاش کر لیتے ہیں,ہم کیسےقبول کریں کہ انسان کے اندر کمال اورسعادت کی بلندیوں پر پہونچنے کی خواہش تو ہولیکن وہ چیز جو اس ضرورت کا جواب ہے ذھن سے باہر نہ پائی جاتی ہو ؟ کیسے! قبول کیا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص لوگوں کو دعوت دے لیکن گھر کا ایڈریس نہ بتائے یا کسی راھنما کو نہ بھیجے خصوصاً جب کہ ایڈریس پیچیدہ ہو اور راستہ میں کچھ لوگ کھڑے ہوں جو مہمانوں کو میزبان کے گھر سے دور اور گمراہ کررہے ہوں .

ایسی صورت میں ضروری ہے کہ میزبان اپنے مہمانوں کےلئے رہنما بھیجے اوروہ بھی ایسا جو مکمل طور پر راستے سے واقف ہو اور راستہ میں گمراہ کرنے والوں کے شرسے نجات دلا سکے .

ہم کیسے قبول کریں کہ انسان زندگی کی سادہ اور حساس را ہوں میں گمراہ ہوتا ہے تو اسے راھنما کی ضرورت ہوتی ہے لیکن آسمانی ، معنوی اور سعادت کی را ہوں کو طے کرنے اور رشد واقعی کو پہنچنے میں اسے کسی راہنما کی ضرورت نہ ہو جب کہ یہ راہ پیچیدہ اورانسان کا علم اس کے بارے میں کم اور شیطانی وسوسے زیادہ ہیں .

کیا آج تک آپ نے کوئی ایسا معاشرہ دیکھا یا سنا ہے جو کسی رہبر کی ضرورت

محسوس کرتا ہو اور نہ ہی اس نے اپنے لئے کسی رہبر کو چنا ہو ؟

کیا ایسا نہیں ہے کہ حیوانات جس وقت اجتماعی زندگی بسر کرتے ہیں تو انھیں بھی ایک رہبر کی ضرورت ہوتی ہے ، جیسے شہد کی مکھیاں جو اپنے لئے ایک ملکہ سے کا انتخاب کرتی ہیں ۔

تاریخ سیاست اور جنگ و جدال میں کونسی ایسی کامیابی کو آپ جانتے یں جس میں کسی رہبر نے اپنا کردار ادا نہ کیا ہو ؟

امام کے بغیر معاشرہ ہرج و مرج کا شکار ہوتا ہے اور اس کو کونسی عقل اور وجدان قبول کر سکتا ہے ؟

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں ، " لا بد للناس من امیر برا کان او فاجرا " ہر معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی رہبر رکھتا ہو خواہ وہ رہبر نیک ہو یا فاجر بہر حال ہرج و مرج سے بچنے کیلئے ایک امیر اور رہبر کا ہونا ضروری ہے۔

ہم کو ضرورت امام کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ یہ سورج کو چراغ اور واضحات کی گویا و ضاحت کرنا ہے ، بلکہ ہمیں رہبر کی صفات اور شرائط کے بارے میں تحقیق کرنا چاہیے ، اور اس کے معیار انتخاب کو محو گفتگو قرار دینا چاہیے اور یہ کو . نصب و معزول کے موارد و شرائط کیا ہیں با طل رہبروں کے مقابل رہبر حق کو کیسے پہچانا جاسکتا ہے .

لہذا ضرورت امام پر ہم سر سری نظر ڈالیں گے اس لئے کہ کچھ باتیں ہیں جنھیں بیان کرنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ضرورت امام پر بحث نہیں ہے (جسے بیان کیا

جائے) اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ اجتماعی زندگی امام اور رھبر کے بغیر دوام نہیں رکھتی ہے. ضرورت امام کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ الہیٰ قوانین کے اجر اء اور خدا کے احکام کی حفاظت کرنے کے لئے (کسی) طاقت اور حکومت کی ضرورت ہے اور طاقت و حکومت ایک لائق امام چاہتی ہے، امام کی ضرورت کے بارے میں خصو صا اس وقت کوئی شبہ اور تردید نہیں ہے کہ جب انسان کی رسائی رسولؐ تک نہ ہو اور وہ آنحضرت ؐ کی خاتمیت کو قبول کر چکا ہو .کیا ہو سکتا ہے کہ خدا لوگوں کے لئے رسول بھیجے اور وہ رسو ل خون دل پی کر احکام و قوانین کو نافذ کرے اور پھر سب کو چھوڑ کر دنیا سے چلا جائے ،کیا یہ کام حکیمانہ ہے ؟ کیا جس رسولؐ کو ہم نے امت کی ھدایت و بھلائی کے سلسلہ میں حریص اور اپنے دل کو جلاتے ہوئے دیکھا ہوا س کا اس طرح چلے جانا مناسب ہے ؟!

سچ بتائیں جو لوگ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے اتنی زحمتوں کے بعد ایک مکتب کی بنیاد رکھی ہے اور پھر ایسے ہی چلے گئے .

وہ کس طرح خدا کی حکمت اور رسولؐ کی زحمتوں کا جواب دیں گے اور کون سا ذمہ دار شخص ہے جو اس طرح لوگوں کو چھوڑ سکتا ہے ؟!!

اصلاً اسلام یا باطنی چاہیت اور خارجی و ظاہری حوادث کے موافق ہو یا پھر یہ کہ کتابوں میں کچھ خشک قوانین ہوں جو مرود زمانہ سے فراموش ہو جائیں ؟

پہلی صورت ہو گی ورنہ دوسری صورت ہوگی . اسی وجہ سے حضرت امام رضا

علیہ السلام فرماتے ہیں : " ان الامامة نظام الدین و نظام المسلمین اس الاسلام النامی " (سفینۃ البحار " امام ") رھبرئے حق کی وجہ سے مکتب و دین پائدار ہے اسلامی معاشرہ ایک نظام کا مالک ہے اور ترقی یافتہ اسلام کی پاس امامت ہے ، جو قافلہ بشریت کی تمام مادی و معنوی اور انفرادی و اجتماعی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اسلام نامی سے رضاؑ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام ، امام کے بغیر رشدو نمو حاصل نہیں کرسکتا ہے بلکہ زوال پا سکتا ہے .

جی ہاں حقیقت بھی یہی ہے اس لئے کہ ہر روز ، ہر مہنیے اور ہر سال انسانی معاشرہ نہ جانے کتنے حوادث سے دوچار ہو تا ہے کہ اگر قانون الہی اور خدا کا اور حکم رہبری حق نہ ہو تو لوگ ان حوادث میں اپنا آرام بھی کھو بیٹھیں گے اور ہر شخص ایک نیا راستہ اختیار کرے گا . اور پھر اسلامی نظام ھرج و مرج کا شکار ہو گا، لہذا دین کے ساتھ رہبر کا ہونا ضروری ہے.

سچ بتائیں ؟

کیا کسی بڑے حوض میں تیرنا کسی مربی اور بخات دھندہ کا محتاج نہیں ہے ؟ کیا دریا میں کشتی کی ضرورت نہیں ہے ؟ کیا بقول امامؑ دنیا " بحر عمیق" اور دریائے پر تلاطم نہیں ہے ، اور کیا آئمۂ معصومین علیھم السلام کشتی بخات نہیں ہیں؟

کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا وند متعال اس دنیا کو مثل ایک دریا کے پیدا تو کرے لیکن لوگوں کو اس میں تیرنے والوں کی طرح دیکھتا رہے (اور کچھ نہ کرے) جب کہ روزانہ اس میں ہزاروں لوگ ڈوب جاتے ہوں ؟

دریا بھی ایسا دریا کہ جو گرداب رکھتا ہو ، حیوان رکھتا ہو ، وحشت رکھتا ہو، حیران و پریشان کنندہ ہو اور اس میں تیرنے والوں کو گہرائی ، ڈسنے والے جانوروں اور اس کے خطرات کی خبر تک نہ ہو ، بھلا کیسے خدائے حکیم اس دریا (دنیا) میں تیرنے والوں کو اپنے حال پر چھوڑ سکتا ہے ؟ یہ خدا کی کونسی منطق اور حکمت سے زیب دیتا ہے ؟

ایک منٹ کے لئے سوچ لینا ہمارے لئے ایک معصوم رہبر کی ضرورت کو روشن کر سکتا ہے .

کیسے خدا نے ملک کا حاکم عقل کو حاکم قرار دے . جس کے ذریعہ آنکھیں اور کان تو انحراف و خطا سے محفوظ ہو جائیں لیکن ایک معاشرہ کے لئے خدا کی طرف سے کوئی امام رھنمائی اور حل اختلافات کے لئے معین نہ ہو ؟

کردار امام (الف)

تمام موجودات کی خلقت کی اورغرض، انسان کا ان سے بہرہ مند ہونا [1]
اس لحاظ سے گویا انسان گلدستہ ، موجودات کا ایک اہم پھول ہے.

انسان کی خلقت کی غرض خدا کی عبادت اور اس کی طرف حرکت کرنا بھی ہے اور ہر حرکت کے لئے خواہ مادی ہو یا معنوی چند چیزوں کی ضرورت ہے :

۱ ـ راہ ۲ ـ وسیلہ

۳ ـ غرض ۴ ـ رہبر

لیکن ان چاروں چیزوں میں تمام کی نسبت رہبر زیادہ اہم ہے اسلئے کہ اگر

رہبر اور راہنما نہ ہو تو ہم راستہ بھی بھول سکتے ہیں .اور ہدف و مقصد بھی اور وسیلہ بھی بے کار پڑا رہ سکتا ہے. بنا بر این تمام موجودات ہمارے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ہم خدا کی طرف حرکت اور عبادت کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور خدا کی طرف حرکت ایک راهنما کی محتاج ہے اور امام اس حرکت کا راهنما ہے .

کردار امام (ب)

انسان کو نمونہ اور الگو کی ضرورت ہے ، اسے جاننا چاہیے کہ کہاں جارہا ہے کس کے مانند ہوگیا ہے ،کس کے مثل ہے اور کس کے مانند ہونا چاہیے امام ایک ایسا انسان ہے کہ تمام انسانوں کو اس کے مثل ہونا چاہیے .

امام ایک نمونہ ہے، شاہکار ہے، الگو ہے، میزان اور کسوٹی ہے .بے نمونہ اور بے امام انسان سرگرداں ہوتا ہے .

اگر ان نمونوں کی حق کی جانب سے معرفی نہ ہو تو باطنی ہوا و ہوس اور بیرونی استعماری ہاتھ ہمارے لئے نمونے تراش کر ڈالیں گے ،اگر ہم ہر ایک نشست و برخواست میں اپنے حقیقی نمونوں کے نام اور فضائل بیان نہ کریں اور ان بزرگواروں کو اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم اور ان سے عشق نہ کریں تو لوگ تبلیغات کے ذریعہ دوسروں کے نام ہم میں پیش کر ڈالیں گے اور ہمارے دل

۱۔(اس سلسلہ میں قرآن کے اندر بہت سی آیات موجود ہیں مثلاً خدا فرماتا ہے ؛" خلق لکم ما فی الارض جمیعا " (بقرہ ۲۹)جو کچھ زمین میں ہے وہ سب میں نے تمارے لئے پیدا کیا ہے یا جیسے "سخر لکم اللیل والنھار و الشمس والقمر" (نحل/ ۱۲) خدا نے چاند سورج اور رات ، دن کو تمہارے فائدے کیلئے پیدا کیا ہے.

ان کی محبت سے بھر دیں گے اور ہم کو ان کی طرف کھینچ لے جائیں گے ۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے لوگوں کی شخصیت کے صرف اس پہلو کو ذکر کیا ہے جو دوسروں کیلئے نمونہ بن سکتا ہو جیسے جناب ابراھیمؑ کی بت شکنی یا ان کی مجاز آرائی کا زکر کیا اور بیوی کے نام ، تعد اد فرزند اور تاریخ تولد و وفات کا ذکر نہیں کیا

امام تنہا راھنما ہی نہیں ہے بلکہ وہ امام ہے ، تنہا سرپرست ہی نہیں ہے بلکہ وہ امام ہے یعنی وہ ہمارے لئے تمام کاموں مثلاً عبادت کرنے،کھانے پینے ، لڑائی جھگڑے ، میں نمونہ ہے ۔

امام گفتگو اور اقوال کو تھئوری کی صورت سے عینیت عطا کرتا ہے ،

یہ امام ہی تو جانتا ہے کہ اسلام کسی ذھن کی ایجاد نہیں ہے بلکہ خارجی حقیقت ہے، تصور نہیں ہے بلکہ واقعیت ہے، خیال نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے ، اسم نہیں ہے بلکہ اسم با مسمی ہے ۔

امام اپنی تمام صفات و افکار و اعمال کے ساتھ ہر جگہ امام ہے، ہر وقت امام ہے یعنی آج بھی جناب ابرھیمؑ ہمارے لئے امام ہیں ۔

قیامت میں سایہ امامت

قرآن میں ارشاد ہے "یوم ندعوا کل اناس بامامھم" (احزاب / ۳۰) (روز قیامت ہر ایک گروہ کو اس کے اپنے امام اور رہبر کے ساتھ آواز دی جائے گی) اس آیت سے پیروی کرنے والوں کی ہدایت و گمراہی کے بارے میں وجود اور ضرورت امام اچھی طرح روشن ہے ۔

دوگنی سزائیں

قرآن رسولؐ کی ازواج کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے ، اگر تم میں سے کوئی کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو وہ دوسری عورتوں کی نسبت دو گناہ عذاب میں مبتلا ہوگا اور وہ اس لئے ہے کہ رسولؐ کی زوجہ کو دوسری عورتوں کے لئے الگو اور نمونہ ہونا چاہیے اور فریضۂ رہبری کو ادا کرنا چاہیے . (سورہ احزاب آیت ۳۰)

حدیث میں ہے کہ ، اس سے پہلے کہ عالم کا یاک گناہ بخشا جائے جاہل کے ستر گناہ بخش دیئے جائیں گے . (تحف العقول، صفحہ ۵۰۸/) جی ہاں عالم معاشرہ میں لوگوں کے لئے نمونہ ہے اس کی خطا بھی بزرگ شمار کی جاتی ہے .

بعض ہمارے بزرگ فرماتے ہیں ، کہ اگر عالم اور ایک دانشمند گناہ صغیرہ کرے تو اس کا یہ گناہ ، گناہ کبیرہ شمار ہوگا اس لئے کہ اس کا یہ عمل دوسروں پر اثر کرے گا . کہ یہ ہم کو دیکھتے ہیں کہ بدعت گذاروں اور ان لوگوں کا گناہ کہ جو معاشرہ میں غلط پروگراموں کے موسین اور سبقت کرنے والے ہیں ، دوسروں کی نسبت دو گناہ ہے وہ اسی لئے ہے کہ یہ لوگ امام فاسد کا فریضہ ادا کرتے ہیں .

ایک بہت ہی دلچسپ حدیث

حضرت امام ھادی علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ کیوں حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل میں زخمی ہو جانے والے شخص کو رہا کر دیا کرتے تھے لیکن جنگ صفین میں زخمیوں کو بھی قتل کرتے تھے ؟

جواب میں امام نے یہ فرمایا : جنگ صفین میں مخالفین کا رہبر زندہ تھا ، فرار ہونے ولے زخمی اس کے پاس دو بارہ جمع ہوتے ، اپنی خامیوں کو پورا اور کمزوریوں کو تقویت پہونچاتے تھے اور مریضوں کی عیادت اور دلجوئی کرتے تھے گویا فساد کی جڑیں مضبوط تھیں (اور جب تک جڑیں ہوتی ہیں ، ثمر کو کی توقع ہوتی ہے) لہذا فساد کو ختم کرنے کے لئے تمام کو قتل کرنا چاہیے .

لیکن جنگ جمل میں بڑے بڑے لوگوں مثل طلحه و زبیر کے قتل اور عائشہ کے اونٹ کے پیر کے کٹنے کے بعد فریب کھانے والے زخمی اور فراری لوگوں کے لئے کوئی امید اور پناہ گاہ نہ تھی لہذا جو زخمی بھاگ کھڑا ہوا حضرت ؑ نے اس کا تعاقب نہیں کیا (تحف العقول / ص ۵۰۸) اس واقعہ سے خوب اچھی طرح رہبریت کا نقشہ باطل جنگی میدانوں میں کھینچا اور عکس العمل کا فرق حق کے جنگی میدانوں میں دیکھا جاسکتا ہے .

امام کی یاد

استعماری قوتوں کے نفوذ کی بزرگسترین راہیں ہمارے جوانوں کو اماموں اور اپنے نمونہ افراد سے دور اور دوسروں سے انکے ذہنوں کو پر کرنا ہے اور شاید امام کی زیارت کے فلسفوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان جو کچھ بھی ہو، ایک ایسے انسانکے پاس جائے جسکے مانند اسے ہونا چاہیے اور فاصلوں کو ختم اور خامیوں کو پورا کرے. شاید حضرت امام حسین ؑ کی عزاداری کے فلسفوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان (فرش عزا) پر بیٹھے اور اپنے رہبروں کے صبر و استقامت کا تذکرہ سنے اور اپنے سے مواز نہ

کرے اور سوچے کس طرح مرنا اور جینا چاہیے اور کونسی راہ اختیار کرنا چاہیے .

امام کے معنی پر ایک نظر

کتنی دلچسپ تعبیر ہے اور کتنا عظیم مقام ہے اور کتنا خوبصورت کلمہ ہے لفظ امام ، یہ لفظ جتنا جامع ہے اتنا دوسرے الفاظ نہیں ہیں جیسے معلم ، مرشد ، ہادی ، مبلغ اور واعظ ، اس لئے کہ یہ تمام الفاظ ارشاد پر دلالت کرتےہیں نہ کہ پیشوائی پر .

ایک دوسرا کردار امام

ایک جنگ میں جس میں عمر چاہتے تھے کہ خود میدان میں جائیں حضرت علی علیہ السلام نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ تم اب خلیفہ ہو اگر تم میدان جنگ میں چلے گئے تو دشمن آپس میں کہیں گے کہ مسلمانوں کے پاس اب کوئی نہیں رہا ہے جو کچھ تھا وہ ساتھ لے آئے ہیں یہاں تک کہ اپنے خلیفہ کو بھی لے آئے ہیں اس طرح جو رعب و دبدبہ ان پر ہمارا ہونا چاہیے وہ ختم ہو جائے گا .

روز قیامت مستضعفین اپنے رہبروں سے کہیں گے : " لو لا انتم لکنا مو منین " (سورہ سباء / ۳۱) (اگر تم لوگ نہ ہوتے اور ہمیں اپنے حال پر چھوڑا ہوتا تو ہم اپنی فطرت کے مطابق مومن ہوتے) سورہ توبہ میں مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ میدان جہاد میں کفر کے بانی اور رہبروں کو اپنا ہدف بنائیں " فقاتلوا ائمۃ الکفر " (توبہ / ۱۲) .

ہم اپنے اماموں کے زرین اقوال اٹھا کے پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

لوگ اپنے ماں باپ سے زیادہ رہبر سے متاثر ہوتے ہیں پیشواو ائمہ کفر سے جنگ کرو . حضرت علیؑ فرماتے ہے : " الناس بامرا ھم اشبہ منھم با با یھم" (بحار جلد ۸، صفحہ ۴۶) ایک دوسرا معروف جملہ ہے : " الناس علی دین ملو کھم " (لوگ اپنے ملوک اور بادشاہوں کے دین کے مطابق چلتے ہیں)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ " صنفان من امتی اذاصلحا صلحت امتی واذا فسدا فسدت امتی الفقہا ء والا مرا ء " (قصار الجمل "مادہ امر")

(جب کبھی بھی میری امت کے دوگروہ فاسد ہو جائیں تو تمام (لوگ) فاسد ہوجائیں گے اور اگر وہ دونوں نیک ہو جائیں تو تمام (لوگ) نیک ہو جائیں گے اور وہ دو گروہ امراء اور فقہاء کے ہیں ۔)

ان تمام مطالب کے بیان کرنے سے ہر شخص کے لئے کردار امام روشن ہو جاتا ہے۔

حدیث میں کردار امام

اصول کافی میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا :

" قال اللہ تبارک و تعالی لا عذبن کل رعیۃ فی الا سلام دانت بولا یہ کل امام جائرلیس من اللہ وان کانت الرعیہ فی اعما لھا برہ تقیہ و لا عفوں عن کل رعیہ فی الا سلام دانت بولایہ کل امام عادل من اللہ وان کانت الرعیہ فی انفسھا ظالمہ مسیہ " (اصول کافی /ج ۱ /ص ۳۷۶ /حدیث ۴) (اس حدیث میں امامؑ خداوند عالم کے قول کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ ہر وہ گروہ اور لوگ جو کسی ظالم ستمگر رہبر کو مانتے ہوں میں ان کو ضرور عذاب کروں گا اگر چہ وہ لوگ متقی و پرہیز

گار اور ان کے اعمال نیک ہوں لیکن اس کے برعکس جب بھی لوگ خدا کی طرف سے ایک عادل امام کی رہبری کو قبول کریں تو میرا لطف و کرم اور بخشش ان کے شامل حال ہوگی اگرچہ انھوں نے اپنی نسبت ظلم کیا ہو اور برے راستہ پر گامزن ہوں)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز عمل سے بھی مہم اور بڑھکر ہے وہ راہ (ولایت) ہے . اس حدیث کی وضاحت کے لئے ایک مثال پر توجہ فرمائیں : جب کبھی بھی گاڑی کا ڈرائیور تجربہ کار ، عاقل اور صحیح وسالم ہو تو گاڑی منزل مقصود تک پہونچ جائے گی اگرچہ اس کے بعض مسافروں نے سنترے (اور مونگ پھلی) کے چھلکے اور سگریٹ پی پی کر گاڑی کو بھردیا ہو یا مسافر پھٹے پرانے کپڑے اور جوتے پہنے بیٹھیں ہوں لیکن چونکہ ڈرائیور سالم اور تجربہ کار ہے سفر اچھا ہو گا .

لیکن اگر خود گاڑی کا ڈرائیور اور راہنما ایک دیوانہ ، مست یا اندھا شخص ہو تو ان مسافروں کا انجام موت ہے . اگر چہ مسافر اچھے اچھے کپڑے اور جوتے پہنے ہوں ، جی ہاں جو چیز حرکت کرنے میں اصل ہے وہ رہبریت اور راہ ولایت ہے نہ کہ قیافہ اور ہیکل اور جزئی اعمال [1] (جو شخص اپنی ہوا و ہوس کا مطیع ہو اور خدا کی طرف سے ہدایت بھی اس کی کوئی ہدایت نہ کرسکے اس سے بڑھکر کون شخص

۱۔ " قال اللہ تعالی ، من اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ " یہ مثال میں نے رہبر معظم آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ سے سنی ہے .

گمراہ ہو گا.)

ہم کو اصول کافی میں ایک حدیث اس آیت کی مناسبت سے ملتی ہے کہ جو شخص بھی اپنے دین و مذہب کو کسی دوسرے شخص کے سلیقہ اور اپنی رائے سے حاصل کرے لیکن اپنے حقیقی امام کی اطاعت نہ کرے وہ اس آیت کا مستحق اور گمراہ ترین شخص ہے [۱]

دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص بہت زیادہ زحمتیں اٹھا کر عبادت کرے لیکن اس کا کوئی رہبر حق نہ ہو در حقیقت وہ گمراہ اور خدا اس کی عبادتوں اور اعمال کا دشمن ہے [۲].

مقدمہ امامت

اسلام کی نظر دنیا ، مال ، مقام ، قدرت اور حکومت کے بارے میں ایک نظر وسیلہ ہے نہ کہ ہدف ، لہذآ اولیا، خدا کو جب بھی قدرت و طاقت حاصل ہوتی ہے اپنی سادہ زندگی سے ہاتھ نہیں اٹھاتے ہیں اور بڑا آدمی بننے تکبر و فخر فروشی اور فساد سرکشی کی فکر میں نہیں ہوتے ہیں قرآن میں ارشادہے." تلک الدارالاخرة نجعلها للذین لا یر یدون علوا فی الا رض و لا فسادا " (قصص /آیہ ۸۳) ہم آخرت تو (اپنی بےپایان نعمتوں کے ساتھ) تنہا ان لوگوں سے مخصوص کردیں گے. جو

۱۔ المیزان جلد / ۱۲ صفحہ / ۵۶

۲۔ اصول کافی جلد /۱ صفحہ / ۳۷۵ کل من دان اللہ بعبادہ یجهد فیها نفسه ولا امام له من الله فسیه غیر مقبول وهو ضال متحیر و الله شانی لا عماله "

روئے زمین پر تکبر اور سرکشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی فساد۔ جناب ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، امام اپنے جوتے کو سینے میں مشغول تھے، امام نے مجھ سے سوال کیا: اس پھٹے پرانے جوتے کی کیا قیمت ہوگی؟ میں نے کہا اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔

امام نے فرمایا

"واللہ لھی احب من امریکم الا ان اقیم حقا او ادفع باطلا" (خطبہ ۳۳/ صبحی صالح/ ۷۶)

خدا کی قسم یہی پھٹا ہوا جوتا میرے نزدیک تم لوگوں پر حکومت کرنے سے بہتر ہے مگر یہ کہ حق برپا کروں اور باطل کو ختم۔

ہاں امامت اور رہبری لوگوں کو شرک، ظلم، جھل اور تفرقہ سے نجات دینے کے لئے ہے نہ کہ اپنے فائدے اور مزے لوٹنے کے لئے۔

اور قدرت و طاقت حاصل کرنے کے سلسلہ میں آئمہ معصومینؑ کی کوشش بھی ہمیشہ خدا کے احکام اجراء کرنے کے لئے تھی۔ بناء براین اسلام میں امامت پوسٹ نہیں ہے بلکہ مسئولیت ہے۔ فائدے اور مزے لوٹنے کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک ذمہ داری ہے لہذا خودامام اپنی زندگی مکمل طور پر معمولی لباس اور سادے کھانوں پر بسر کرتے تھے، وقت ضرورت دوسروں کی طرح عدالت میں بھی حاضر ہوتے، کام کرتے اور کسی طرح کا فوق العادہ سازو سامان نہیں رکھتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام ابن عباس کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اما بعد فلا یکن حظک فی ولایتک ما لاتستفیده و لاغیظاً تشتفیه و لکن اماته باطل واحیاء حق" (بحار جلد ۴۰ صفحہ / ۳۲۸) (جو حکومت تمہارے پاس ہے اس سے دولت جمع نہ کرو، تمہیں حق نہیں ہے کہ تم اپنی طاقت سے سوء استفادہ کرو اور کسی رقیب و مخالف سرغم و غصہ نہ دکھاو بلکہ تمہارا ہدف باطل کو نابود اور حق کو زندہ کرنا ہونا چاہیے.

حضرت علی علیہ السلام جس وقت ایک شہر میں داخل ہوئے تو (اس کی حکومت کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا " دخلت بلا دکم با ثمالی هذه د حلتی فان انا خرجت بغیر ما دخلت فانی من الخائنین" (بحار جلد ۹/ چاپ قدیم صفحہ / ۵۰۰) تمہارے شہر میں داخل ہوا ہوں اسی پھٹے پرانے لباس اور اسی (مختصر سے) سا مان اور سواری کے ساتھ کچھ دیر کے بعد اگر تم نے دیکھا کہ میں اپنی اس موجودہ حالت کے علاوہ شہر سے نکلا ہو ں تو سمجھ لینا کہ میں نے اموال میں کوئی خیانت کی ہے.

دوسری جگہ فرماتے ہیں

"لولا حضور الحاضروقیام الحجة بوجود الناصر وما اخذالله علیٰ العلماء الا یقاروا علی کظة ظالم ولاسغب مظلوم لالقیت حبلها علی غاربها و لسقیت آخرها بکاس اولها ولالقیتم دنیاکم هذه ازہد عندی من عفطة عنز" (نہج البلاغہ خطبہ سوم) (اگر میرے اطراف لوگوں کا اجتماع اور ان کو میری رہنمائی و رہبری کی ضرورت نہ ہوتی اور اگر یاور و دوست پیدا ہونے کی وجہ سے حجتیں مجھ پر تمام نہ ہوئیں اور لوگوں کے اس اجتماع اور حمایت نے میری ذمہ داریوں کو

سنگین نہ کیا ہوتا اور اگر خداوندعالم نے علماء سے عہد و پیمان نہ لیا ہوتا کہ وہ مظلوموں کی بھوک اور ظالموں کی پرخوری پر آرام سے نہیں بیٹھیں گے تو میں حکومت کی رسی اور لگام کو اس کی کوہاں پر ڈال دیتا . اور تم دیکھو گے کہ یہ تمہاری دنیا اپنے مال و متاع ، مقام اور حکومت کے ساتھ میرے نزدیک اس پانی سے بھی کم اہمیت ہے کہ جو چھینکتے وقت ایک بزغالہ کی ناک سے نکل پڑتا ہے.)

حضرت علی علیہ السلام خطبہ ۲۱۴ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ خداوند متعال نے ہم لوگوں میں سے ہر ایک کی گردن پر کچھ متقابل حقوق قرار دیئے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ تنہا حاکم ہی امرو نہی کا حق رکھتا ہو اور وہ اپنی کامیابی اور مقام سے فرمانڈھی کی لذت اٹھاتا ہو . اب جب کہ ہم نے جان لیا ہے کہ حکومت کا ہدف مزے لوٹنا اور فائدے اٹھانا نہیں ہے ورنہ حضرت علی علیہ السلام اپنی روز مرہ کی زندگی کے لئے اپنی شمشیر فروخت کرنے پر مجبور نہ ہوتے اور وہ بھی اپنے دور حکومت و ہیں . کیونکہ فرماتے ہیں " واللہ لو کان عندی ثمن ازار مابعتۃ" (بحار/ج ۴۰ /صفحہ ۳۲۴) خدا کی قسم اگر میرے پاس معمولی اور چھوٹے سے لباس کے لئے بھی پیسے ہوتے تو میں کبھی اپنی تلوار نہ بیچتا یا جیسے حضرت امام رضا علیہ السلام جس وقت ولایتعہدی کے عہدہ پر فائز تھے تو چٹائی پر بیٹھتے اور زندگی گزار تے تھے اور غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے حضرت سلیمانؑ اپنی عظمت و وقار کے با وجود غریبوں اور مستضعفین کے پاس بیٹھتے اور ان کے ساتھ مہرو محبت سے پیش آتے تھے (الحیاۃ).

امام کی نشانیاں

علامتیں

جب کہ مسئلہ امامت و رہبری اور امت کی ہدایت ، زندگی کے اساسی ترین مسائل میں سے ہے . اور احتمال ہے کہ کسی بھی وقت امت حیلوں اور یہاں اور وہاں کی تبلیغات کی جال میں نہ پھنس جائے لہذا قرآن نے بھی اور حضرت رسول اکرمؐ نے بھی کچھ ایسی علامتیں بتا دی ہیں جو کنویں میں پڑے انسان کے لئے راہیں روشن کرسکتی ہیں چونکہ ہم نے سادہ گوئی کا عہد کیا ہے لہذا ان علامتوں کو خلاصہ کے ساتھ یہاں نقل کرتے ہیں :

الف ۔ مسجد نبویؐ میں ایک فقیر وارد ہوا اور لوگوں سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا لیکن کسی نے اس کو کچھ نہ دیا فقیر نے کہا خدایا تو گواہ رہنا مجھے لوگوں نے محروم کیا ہے حضرت علی علیہ السلام نے جو اس وقت رکوع میں تھے فقیر کو اشارہ کیا. جیسے ہی وہ قریب آیا حضرتؑ نے اپنی انگوٹھی اس کو عطا کر دی اس وقت سورہ مائدہ کی ۵۵ ویں آیت نازل ہوئی۔

کہ تنہا تمہارا ولی خدا ، رسولؐ اور وہ شخص ہے کہ جس نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی فقیر کو دی ہے یہ ایک واضح اور روشن دلیل ہے جس کے بعد لوگوں نے تحقیق کی تو سب سمجھ گئے کہ وہ شخص حضرت علی علیہ السلام ہیں، البتہ علیؑ کا مقام پہلے سے تمام کے نزدیک روشن تھا لیکن انگوٹھی کا عطا کرنا ایک دلیل نشانی اور اس مقام کی معرفی کی خاطر تھا کہ حضرتؑ کو خدا اور رسولؐ کےساتھ ساتھ امت کی سرپرستی کا حق حاصل ہے ورنہ حالت رکوع میں انگوٹھی عطا کرنا تنہا مقام امامت کو ثابت نہیں کر سکتا ہے لیکن ہاں لوگوں کیلئےایک اچھی علامت ہو سکتاہے .

مثال

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کسی شخص کو اپنے گھر بھیجتے ہیں کہ وہ جائے اور آپ کی بیوی سے فلاں انبار یا الماری کی چابی لیکر اس میں سے فلاں چیز آپ کے پاس لے آئے ، یقیناً بیوی کے اطمینان کے لئے آپ اس کو کوئی علامت بھی بتائیں گے کہ ہماری بیوی سے کہنا کہ رات ہم نے طے کیاتھا کہ ایک مبلغ سے ہم فلاں شخص کی مدد کریں گے .

توجہ کریں کہ مبلغ کمک سرمائے اور انبار کے سامان سے قابل مقائسہ نہیں ہے لیکن آپ کی بیوی کے لئے یہ پیغام ایک علامت اور پہچان کی حیثت رکھتا ہے تاکہ وہ انبار کی کنجی آپ کی تحویل میں دے دے ..

انگوٹھی کی داستان بھی بالکل اسی طرح ہے کہ یہ حضرتؑ کا عمل ایک نشانی سے زیادہ نہیں ہے ورنہ انگوٹھی کا دینا اس مقام الٰہی کو نہیں پہنچا سکتا ہے مقام

امامت حضرت علیؑ کے لئے پہلے سے الہی معیاروں کے ذریعہ ثابت ہے لیکن تمام لوگوں کو بتانے کے لئے یہ عمل انجام پایا.

ب ۔ حضرت رسول اکرمؐ ۲۳ سال درجہ رسالت پر فائز تھے اور ایک سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں تو مجموعاً آنحضرتؐ کی رسالت کے ایام ۸۳۹۵ ہوتے ہیں ۔ ایک آیت نازل ہوئی

۱ ۔آج تمام کفار تمہارے دین سے مایوس ہوگئے "الیوم یئس الذین کفروامن دینکم "

۲ ۔ آج تمہارا دین مکمل ہوگیا " الیوم اکملت لکم دینکم "

۳ ۔آج میں نےاپنی نعمتیں تم پرتمام کردی ہیں ."واتممت علیکم نعمتی "

۴ ۔ آج میں نے مکتب اسلام کو تمہارے لئے ایک دین کے عنوان سے قبول کر لیا ہے " ورضیت لکم الاسلام دینا "

آپ چند ہزار روز جن میں رسولؐ درجہ رسالت پر فائز تھے تلاش کریں اور دیکھیں کہ کوئی ایک دن مذکورہ اوصاف سے مطابقت رکھتا ہے . جو چیز مسلم ہے وہ یہ کہ یہ دن عادی نہیں ہے بلکہ یہ روز بہت ہی حساس اور مہم ہے اب ہم ایام بعثت کے حساس دنوں کے نام لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت کس دن سے مطابقت رکھتی ہے .

۱ ۔ آیا روز اول بعثت ہے ؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ روز اول دین کامل ہوا تھا اور نہ ہی کفار مایوس ہوتے تھے ....

۲ ۔ کیا اعلان تبلیغ کا وہ دن ہے جب رسولؐ تین سال مخفیانہ فعالیت کے بعد حکم خدا ہوا کہ اپنی دعوت تبلیغ کو آشکار کریں ؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ وہ دن بھی کام کا پہلا روز ہے اور ابھی کوئی کام انجام نہیں پایا ہے .

۳ ۔ کیا روز ہجرت ، روز تولد فاطمہ زہراؑ یا جنگ بدر میں کامیابی کا روز ہے ؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ ہجرت ، تولد فاطمہؑ اور فتح بدر کے کئی سال بعد تک رسولؐ کی زندگی میں آیتیں نازل ہوتی رہی ہیں اور نہیں ہوسکتا ہے کہ ہم ان دنوں کو کمال دین کا روز مان لیں .

۴ ۔ کیا جس دن خدا نے چار صفتیں بیاں کی ہیں روز فتح مکہ ۸ھ یا مشرکین مکہ کے زائروں کا روز تصفیہ ۹ھ ہو سکتا ہے ؟ ہرگزہ کیونکہ فتح مکہ میں تنہا مکہ کے کفار مایوس ہوئے ہیں نہ سارے جہان کے ، دوسرے ۸ھ سے لیکر ۱۰ھ تک کہ جو رحلت رسولؐ کا سال ہے دسیوں احکام اور آیتیں نازل ہوئی ہیں لہذا ۸ھ کو کمال دین اور تمام نعمت کا سال تصور نہیں کیا جاسکتا ہے .

۵ ۔ کیا ممکن ہے کہ وہ دن ، عرفہ کا دن ہو جب رسولؐ لوگوں کے ساتھ مراسم حج کے انجام دینے میں مشغول تھے ؟ ہرگز، نہیں اس لئے کہ مراسم حج رسولؐ کے لئے دین کا ایک جزء ہے نہ کہ تمام دین ، جب کہ قرآن فرماتا ہے کہ آج تمہارا دین کامل ہو گیا خلاصہ یہ کہ ہمیں غور و فکر کرنا چاہیئے تا کہ معلوم ہو کہ وہ کونسا دن ہے تمام دنوں کی تحقیق کے بعد ہم روز غدیر خم تک پہونچیں گے ، جو عید قربان سے آٹھواں (۱۸ ذی الحجہ کا) روز ہے ،

آنحضرتؐ کی عمر مبارک کا آخری سال تھا رسولؐ نے لوگوں کے ساتھ اعمال حج انجام دیئے اور واپسی پر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے تمام لوگ ایک دوسرے سے جدا اور اپنے اپنے گھروں اور سر زمین (یمن ، مدینہ ، عراق ، اور حبشہ وغیرہ) کی طرف جائیں گے اپنے میں حضرت علیؑ کو منصوب کرنے کا حکم آیا حضرت رسول اکرمؐ نے خاص اہتمام کے ساتھ رہبری امت کے لئے خدا کی طرف سے حضرت علیؑ کو نصب کر دیا اور مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ :

۱ ۔ آج کفار مایوس ہو گئے اسلئے کہ کفار کی (شاعر ، ساحر اور مجنون) جیسی تہمتوں نے بھی کچھ نہ کیا اور خیبر و خندق وغیرہ کی جنگیں بھی اسلام کے حق میں تمام ہوئیں ، سازشیں ناکام ہوئیں ۔ کفار کو صرف ایک امید تھی اور وہ رسول اسلامؐ کی موت تھی ، اس لئے کہ حساب لگائے بیٹھے تھے کہ رسولؐ بوڑھے ہو گئے ہیں، کوئی لڑکا بھی نہیں ہے اور کسی کو اپنا جانشین بھی نہیں بنایا ہے لہذا ان کی موت پر ضرور شور و غل ہو گا ۔ لیکن جیسے ہی انھوں نے دیکھا کہ علیؑ نام کا ایک شخص جو سب سے بہتر ہے ، غدیر کے دن منصوب ہو گیا ہے تو ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا ، اور اس دن صحیح معنوں میں کافر مایوس ہوگئے ۔

۲ ۔ اس روز دین بھی کامل ہوا اس لئے کہ قانون کے ساتھ ساتھ حاکم آگیا۔ مجری قانون منصوب ہوگیا (انسانی) نمونہ کی شناخت ہوگئی اور کشتی اسلام کا ناخدا منتخب ہوگیا "اکملت لکم دینکم" رہبر کے بغیر دین ایسے ہے جیسے ڈاکٹر کے بغیر دوا ۔

۳ ۔ آج مسلمانوں پر الٰہی نعمتیں بھی تمام ہو گئیں اور سچ یہ ہے کہ اگر

تمام نعمتیں ہوں لیکن رہبری کی نعمت نہ ہو تو سب بے کار ہیں ۔

۴ ۔ آج جب کہ تم لوگ صاحب قانون اور حاکم ہو گئے ہو اسلام اپنے تمام ابعاد کے ساتھ کامل ہو گیا، میں تمہارے لئے ایسے مکتب کو قبول کرتا ہے،ہوں اور تمہارے لئے ایسے آئین سے راضی ہوں ۔

اگرچہ بحث طویل ہو گئی ہے لیکن مفید تھی اس لئے کہ ہمارا موضوع امام کی روزانہ اور اس کی پہچان کے طریقہ کو بتانا ہے اور ہم نے دیکھا کہ قرآن اپنے بیان کی شیرینی کے ذریعہ اس دن کے اوصاف کا تذکرہ کیسے کرتا ہے جو تمام عمر بعثت کے صرف ایک دن میں منحصر ہے اور یہ تمام اوصاف اسی قرآن کے متن میں موجود ہیں کہ جسے مسلمان روزانہ پڑھتا ہے [۱] چونکہ ہم نے خلاصہ نویسی کا ارادہ کیا ہے لہذا یہاں ہم گفتگو ختم کرتے ہیں اور چلتے ہیں اس طرف کہ رسول اکرمؐ نے اس سلسلہ میں کیا فرمایا ہے ، اور آنحضرتؐ نے مقام رہبری کو پہچنوانے کے لئے کیا کیا کوششیں کی ہیں ۔

---

۱ ۔ سوال ۔ اگر مذکورہ آیت روز غدیر اور معرفی امام سے مربوط ہے تو کیوں ماقبل اور مابعد کی آیتیں اور جملے غذاوں سے مربوط ہیں ؟

جواب ۔ قرآن محفوظ ہونا چاہیے اور خدا نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اورقرآن کو محفوظ کرنے کے دو طریقے ہیں ۔ ۱ ۔ ایک قدرت غیبی اور الہی کے ذریعہ ۲ ۔ دوسرے راہ اور جگہ گم کرنے کے ذریعہ اکثر اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ سونے کو روئی کی تھیلی یا دیواروں میں چھپاتے ہیں تاکہ چوروں اور برا چاہنے والوں سے محفوظ اور گم ہوجائے مسئلہ غدیر بھی مسئلہ تحریم یعنی سور اور مردہ جانوروں وغیرہ کے گوشت کے ضمن میں بیان ہوا ہے تاکہ محفوظ رہے ۔

اقوال رسول اسلامؐ

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی گفتگو میں بارہا اول بعثت سے ہی معصوم رہبری کو بیان کیا ہے۔ آپؐ کی تبلیغ کے پہلے ہی دن یہ آیت نازل ہوئی " وانذر عشیرتک الاقربین " (شعراء/۴) خدا نے حکم دیا کہ اے رسولؐ اپنی تبلیغ کے ذریعہ اپنے عزیزو اقرباء کو ڈراو. رسولؐ نے ایک جلسہ کا پروگرام رکھا اور اپنے تمام اقرباء کو دعوت دی . جب سب اکٹھا ہو گئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا : جو شخص مجھ پر ایمان لائے گا وہ میرا خلیفہ اور جانشین ہو گا .

(تفسیر برھان جلد /۳ صفحہ ۱۹۱)..... ...... (تاریخ طبری جلد ۲)

پیغمبر اکرمؐ نے بارہا اور برابر حضرت علیؑ کے بارے میں گفتگو کی تھی اور جنگ تبوک کے موقع پر ان کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرار کیا تھا . اکثر آپؐ فرمایا کرتے تھے : یا علیؑ ! تم کو مجھسے وہی نسبت ہے کہ جو ہارون کو جناب موسیٰؑ سے تھی .(صحیح بخاری . تفسیر نمونہ جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ پر اس سلسلہ میں مفصل بحث ہوئی ہے)

اپنے بعد کے لئے لوگوں کی توجہ اور رہنمائی جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی طرف کی اور فرمایا : فاطمہؑ کی تائید اس شخص کی حقانیت کی دلیل ہے.

اور کبھی جناب ابوذر کو ملاک قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ زبان کا سچا ہے لہذا اس کا بیان حق ہے یعنی اے لوگو ! دیکھو کہ ابوذر رہبری کے مسئلہ میں کس کی طرفداری کرتے ہیں .

کبھی جناب عمار سے فرمایا : اے عمار تمہارے قاتلین ظالم اور باطل لوگ ہونگے گویا اس بیان سے آنحضرتؐ نے معاویہؓ (اور اس) کی فوج پر ایک محکم ضرب لگائی ہے کیونکہ جیسے ہی جناب عمار جنگ صفین میں معاویہ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے فوراً لوگوں کو رسولؐ کی حدیث یاد آگئی کہ عمار کے قاتلین ظالم اور ستمگر ہیں وہ آپس میں کہنے لگے معاویہ کی جنگ باطل پر ہے نبابراین انھوں نے میدان چھوڑنا شروع کردیا. معاویہ کو جیسے ہی خبر ہوئی تو اس نے عمرو عاص کے مشورے سے خاص زرنگی اور چالاکی دکھائی اور عمار کے بارے میں جو رسولؐ کی حدیث تھی اس کی توجیہ کی اور بھرپے ہوئے مجمع پر کنٹرول کیا.

اور کبھی رسولؐ دلچسپ تشبیہوں کے ذریعہ لوگوں کو معصوم رہبری کی طرف متوجہ کرتے اور فرماتے : " مثل اهل بیتی کمثل سفینه نوح من رکبها نجی "(الغدیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۱) میرے اہلبیتؑ کی مثل جناب نوحؑ کی کشتی جیسی ہے جو مومنین اس میں سوار ہو گئے نجات پاگئے اور جو کافر ایمان نہیں لائے اور سوار نہیں ہوئے غرق ہوگئے.

اور کبھی فضائل بیان کر کے پہچنوایا مثلاً جیسے یہ جملہ " انا مدینه العلم و علی بابها " کہ میں شہر علم ہوں اور علی ابن ابی طالبؑ اس کا دروازہ ہیں . اس طرح گویا آپؐ نے علمی شخصیت اور امام معصوم کی طرف رجوع ،کو لوگوں کے لئے لازمی قرار دیا ہے.

حتی رحلت کے وقت بھی اپنی کوششوں میں کوتا ہی نہیں کی اور فرمایا : قلم

اور کاغذ لے آو تا کہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھوں، لیکن افوس آپؐ کو ایک ایسا جواب دیا گیا کہ جو ادب سے ساز گار ہے اور نہ شرع سے اور نہ ہی قرآن سے ہے اس لئے کہ جو لوگ اپنے کو مقام خلافت کا مستحق سمجھ رہے تھے وہی لوگ آگے آئے اور رسولؐ کی تحریر و جود میں نہ آنے دی.

اور کہنے لگے "ان الرجل لیھجر" رسول (معاذاللہ) کسالت اور بیماری کی وجہ سے حزیان اور بیہودہ گفتگو کررہے ہیں. کاش کہنے والے کو معلوم ہوتا کہ خدا اپنے رسولؐ کے بارے میں فرماتا ہے "وماینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی " وہ ہرگز ہوا (وہوس) سے گفتگو نہیں کرتا ہے اس کی تمام باتیں وحی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی ہیں .

چھوڑیں ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ رسولؐ نے امت کی رہبری کے لئے بہت زیادہ کوششیں کی ہیں دعوت کے پہلے روز ہی فرمایا کہ جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے گا وہ خلیفہ اور امام ہے، اپنی عمر مبارک کے آخری دن بھی فرمایا کہ قلم اور کاغذ لے آو اور روز غدیر خم بھی فرمایا: من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ."

علامتوں اور بزرگ شخصیتوں مثلاً جناب فاطمہ زہراؑ، ابوذر اور عمار کی تائیدوں کے ذریعہ بھی پہچانوایا کہ جس کو یہ میرے اصحاب قبول کریں وہی امام ہو گا. جی ہاں کسی طریقہ سے بھی کمی نہیں چھوڑی ہے اپنی آخری کوشش کرڈالی ہیں.

لیکن رسول خداؐ کے حکم کا اجراء نہیں ہوا ہے. خدا ان لوگوں کو بدترین سزائیں دے جنھوں نے روز اول سے ہی امت کی رہبری کے سلسلہ میں ظلم کیا ہے اور

خدا نا بود کرے ان لوگوں کو جو آج بھی امت کے رہبر معظم اور ان معصوم بزرگواروں کے نائب بر حق کے مقام کی تضعیف کرنے پر تلے ہوئے ہیں .

کیوں رسول ص کی تمام محنتیں بے کار گئیں

ان تمام سفارشوں ، تائیدوں ، لیاقتوں اور فضائل و نصب کے باوجود جو حضرت علی علیہ السلام کے یہاں پائے جاتے تھے لوگوں نے ان کو کیوں ایک عرصہ تک چھوڑے رکھا .

جواب

حکم خدا کو پیروں میں کچلنے کا مسئلہ تازہ نہیں ہے قرآن کی کتنی آیتوں نے ہم کو تقوی و امانت کی دعوت دی ہے پس کیوں تقویٰ کم ہے .کیا ابلیس نے جناب آدم ع کو سجدہ کیا ؟ کیا جناب موسیٰ ع کی امت خود ان کے زمانے میں منحرف نہیں ہوگئی صرف اس لئے کہ چند روز جناب موسیٰ ع کو نہیں دیکھ پائی تھی ؟

بنابر این فراموشی ، نسیان اور بے اعتنائی بر تنا انسان کی خاصیتوں میں سے ہے تنہا وہ لوگ کہ جنھوں نے اپنے آپ کو بنایا ہے اور خدا کا خاص لطف و کرم ان کے شامل حال ہے وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں .

دوسرے دیر ینہ حسد اور کینہ جو لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کی ذات سے تھا باعث بنا کہ وہ آپ ع کو قبول نہ کریں ، کیونکہ آپ ع نے بدر واحد اور خیبر و حنین جیسی جنگوں میں جن لوگوں کو قتل کیا تھا وہ کسی نہ کسی کے عزیز اور رشتہ

دار ہوتے تھے ۔ لوگ ہرگز حاضر نہیں تھے کہ وہ اپنے باپ، بیٹے یا چچا کے قاتل کو بطور امام تسلیم کریں اس کے علاوہ دوسری جو وجوہات باعث بنی ہیں مسئلہ عدالت اور امام کا وقت عمل تھا ، یہ مسئلہ ناکثین اور ان لوگوں کے یہاں دیکھنے میں زیادہ آتا ہے کہ جنھوں نے قتل عثمان کے بعد حضرت علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت تو کی لیکن کچھ دنوں کے بعد بیعت سے پھر گئے اور جنگ جمل میں شریک ہوے ۔

اس لئے کہ یہ لوگ امام سے اپنے حق سے زیادہ مال اور ہم مقام کے خواہاں تھے لیکن جب انھوں نے دیکھا ، امام کسی پر خاص توجہ نہیں کررہے ہیں ، حتی سر کردہ اور خود غرض لوگوں نے ہر چند امام کو پیشنہادیں بھی کیں کہ وہ ہم سے اہم امور میں مشورہ کیا کریں ۔

لیکن حضرت فرماتے کہ جہاں میں خدا کی رضا اور حکم نہ جانتا ہو گا وہاں سب سے مشورہ کرلوں گا کہ اور تم بھی اس میں شریک ہو گے (لیکن جہاں خدا کی رضا مجھے معلوم ہوگی وہاں اس پر عمل کروں گا) وہ لوگ بہت زیادہ مدد کا تقاضا رکھتے تھے لیکن چونکہ امام محروم اور غریبوں کے مال میں دقیق نظر اور لوگوں کے بقول منھو کا نوالہ بھی چھین لیتے تھے لہذا کبھی بھی حاضر نہیں تھے کہ وہ لوگوں کی غیر منصفانہ مانگ پوری کریں ۔

جی ہاں امام کی دقیق نظر اور عدالت بھی آپؑ کو نادیدہ سمجھ لینے کے اسباب میں سے ایک ہے جو امام تاراج شدہ اموال کو واپس دلارہا ہو وہ ضرور اپنے لئے

دوسروں کی مخالفت مول لے گا۔ لوگ ضرور اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونگے۔
خلاصہ یہ کہ لوگوں نے رسول ؐ کی سفارش اور تاکید پر عمل نہیں کیا، نصب الٰہی کو نا دیدہ اور رہبری کے راستہ کو ایک دم بدل ڈالا لہذا وہ دادگاہ الٰہی میں خدا کے فیصلے کے منتظر رہیں کہ وہ قرآن کی ان جیسی آیتوں کے مستحق ہیں جہاں ارشاد ہوتا ہے :

" والذین یو ذون رسول اللہ لهم عذاب الیم " (توبہ/آیۃ ۶۱)

(جو لوگ رسول خدا کو اذیت کرتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے)

اور کونسی اذیت آنحضرت ؐ کی وصیتوں پر بے اعتنائی سے بڑھکر ہوسکتی ہے۔

احقاق حق

قرآن اور حضرت رسول اکرمؐ کے کہنے کے علاوہ خود امام نے بھی متعدد جگہوں پر اپنی حقانیت ، لیاقت اور کمالات کے بارے میں اعلان کیا ہے مثلاً نہج البلاغہ میں حضرت اس شخص کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں جس نے آپ ؑ پر اعتراض کیا کہ کسی قدر آپ حکومت کے بارے میں حریص ہیں فرمایا : " انما طلبت حقالی " (نہج البلاغہ / فیض الاسلام صفحہ / ۵۴۵) میں ایسے حق کا مطالبہ کرتا ہوں کہ جو میرا ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔ "اری تراثی نهبا " (نہج البلاغہ / خطبہ ۳) میں اپنی میراث تاراج ہوتے ہوئے دیکھ رہاہوں ۔اور دوسری جگہ فرمایا : "ان محلی منها محل القطب من الرحی" (نہج البلاغہ خطبہ / ۳) (خلافت و حکومت میں میرا مقام ایسے ہے جیسے چکی کے دونوں پاٹ کے درمیان کیل کی ہو)۔

صفات امامؑ

میں نہیں جانتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کیا لکھوں اور کونسی راہ اختیا کروں میں روایات میں اوصاف امام کو دیکھ کر متحیر ہوں .دوسرے بہت سے ایسے عزیز قارئین بھی ہیں جو تفصیل سے پڑھنے کا حوصلہ نہیں رکھتے ہیں .لیکن سبھی چاہتے ہیں کہ امام کے کچھ صفات سے آشنا ہو جائیں لہذا ہم بھی اسی مقدار پر اکتفا کرتے ہیں .

عصمت

معصوم یعنی جو گناہ نہ کرے بلکہ گناہ کا تصور تک بھی نہ کرے . خود ہم بہت سے گناہوں کی نسبت معصوم ہیں یعنی آج تک ہم ان کے مرتکب ہوئے ہیں اور نہ ہی ان کی فکر کی ہے . مثلاً جیسے یہ گناہ کہ کوچہ بازار میں ننگا ہو کر جانا ، خود کشی کا گناہ قتل نفس کا گناہ اور فاسد و مسموم شدہ غذاوں کے استعمال کا گناہ وغیرہ وغیرہ . جیسا کہ ہم اپنے علم و آگاہی کے سبب بہت سے گنا ہوں کو انجام دینے کی فکر میں نہیں ہوتے ہیں اسی طرح امام کو تمام گناہوں کی نسبت جو علم و یقین حاصل ہے اس کے سبب وہ یہی حالت رکھتے ہیں کہ کسی گناہ کے قریب نہیں جاتے ہیں .

کشادہ دلی

امام کو کشادہ سینہ رکھنا چاہیے " الہالریاسۃ سعۃ الصدر " روح بزرگ (اور وسیع قلبی) ریاست کا وسیلہ ہے ، زود رنجی ،عجلت اور کم حوصلگی اوارہ اور ہدایت معاشرہ کو ساز گار نہیں ہے .

جیسے ہی خدانے جناب موسیٰ ؑ کولوگوں کی ہدایت کیلئے چنا تو انھوں نے خدا سے چند چیزیں طلب کیں کہ ان میں سب سے پہلی چیز سینہ کی کشادگی اور ظرف کا وسیع رکھنا تھا کہا :" رب اشرح لی صدری "(سورہ طہٰ آیۃ / ۲۵ (خدا یا ! تو مجھے سینہ کی کشادہ دلی اورایک بلندروح عطا کرنا کہ میں تمام حوادث کےمقابل بردبارا ہوں)

رسول خدا ؐ سے فتح مکہ کے روز جب مسلمانوں نے چاہا کہ مشرکین سے شکنجوں کا انتقام لیں توآپ ؐ نے ان کواجازت نہیں دی اور فرمایا آج کا دن رحمت کا دن ہے نہ کہ انتقام کا،اور امام حسن علیہ السلام کا جب کسی مرد شامی سے سامنا ہوا اور اس نےآپ کو نازیبا الفاظ میں برا بھلا کہا توآپ نے اس سے فرمایا : کیوں ناراض ہو پیسے کی ضرورت ہو تو پیسہ دوں ، گھر نہ ہو تو گھر کا انتظام کروں اور اس قدراس کےساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے کہ وہ شامی شرمندہ ہوگیا اور کہا : خدا بہتر جانتا ہے کہ کس شخص کو رہبر بنائے تاریخ میں اس طرح کے واقعات ہمارے تمام اماموں کے بارے میں دیکھنے کو ملتے ہیں اگر (خدانے) توفیق دی تو مختصر طور بر ایک مسودہ اماموں کی زندگی اور سیرت کے بارے میں لکھوں گا .

عدالت

جہاں تمام لوگوں کو عدالت پسند ہونا چاہیے وہاں امام کو تو اس کا ایک نمایاں نمونہ ہونا چاہیے . ہمیں چاہیے کہ پھر حضرت علیؑ کی زندگی کی طرف چلیں اور عدالت کو ان سے سیکھیں . ہم نے تیسرے جزوہ میں عدالت اجتماعی کے عنوان کے تحت حضرت علیؑ کی عدالت سے متلق بہت اہم باتیں لکھیں ہیں . یہاں بطور نمونہ ایک دو ارشادات پر اکتفا کرتے ہیں .

ا ۔ حضرت امام علی علیہ السلام نے اپنے گورنروں میں سے کسی ایک کو اپنے کسی خط میں اس طرح تنبیہ کی اگر میں نے سن لیا کہ تم نے بیت المال میں خیانت کی ہے تو خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ نہایت سختی سے پیش آوں گا (۱)

۲ ۔ مالک اشتر کو عہد نامہ کے ضمن میں اس طرح حکم دیتے ہیں کہ ملک کے دور تریں علاقوں کا اسی طرح حصہ ہونا چاہیے جس طرح مزکر حکومت سے نزدیکریں علاقوں کا ہے (۲).

۳ ۔ اپنے قاتل ابن ملجم کے بارے میں فرمایا : میری شہادت کے بعد سوائے اس کے کسی دوسرے کو اذیت نہ پہونچ "لا تقتلن الا قاتلی" (۳)

یہاں تک کہ فرمایا : جیسا اس نے مجھے ایک ضربت لگائی ہے تم بھی اس کو ایک ہی ضربت لگانا اور خیال رکھنا کہ قدم عدالت کی حد سے اس پار نہ جاپڑے .

ا ۔ نہج البلاغہ نامہ / ۲۰ صبحی صالح ۳۷۷ ۲ ۔ نہج البلاغہ / خط مالک اشتر کے نام " فان للا قصی منھم مثل الذی للا دنی"
۳ ۔ نہج البلاغہ / خط ۴۷ کہ جو وصیتنامہ کی شکل میں ہے فیض الاسلام ۹۷۸ (سوائے میرے قاتل کے کسی کو قتل نہ کرنا)

جو حد جناب قنبر کے ہاتھوں جاری ہوئی اس میں جناب قنبر نے تین کوڑے زیادہ لگادئے تو امامؑ نے واپس تین کوڑے جناب قنبر کو لگالا ۔ اور کبھی امامؑ نے روابط ، سابقہ ، محبت ، خدمت اور تعلقات کو جو اکثر لوگوں کے یہاں پائے جاتے ہیں ان کی رعایت نہیں کی۔ (قصار الجمل جلد ۲ صفحہ ۲۱)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں : اگر مجھے ساتوں ممالک اور حکومتیں بخش دی جائیں کہ میں کسی چیونٹی پر ظلم یا اس کے منھ سے جو کا چھلکا چھین لوں تو یہ کام میں نہیں کر سکتا ہوں ۔

ایک دوسرے واقعہ میں امام نے سنا کہ کسی غیر مسلمان عورت کی زینت اور زیور چھین لیا گیا ہے گویا اس طرح اس پر ظلم ہوا ہے اور کسی نے اس پر کوئی رد عمل نہیں لیا ہے تو اس قدر ملول ہوئے کہ فرمایا : اگر مسلمان اس حادثہ سے مرجائے تو اس کی جگہ یہ ہے ۔ (قصار الجمل جلد ۲ صفحہ ۲۱)

میں پھر یاد دہانی کررہا ہوں کہ یہ کتابچہ شناخت امام کے سلسلہ میں پہلا اقدام ہے لہذا اگر ہم کسی صفت اور کمال کی طرف اشارہ کرکے یا فہرست وار گذر رہے ہیں کیونکہ ہمارا مقصد سادہ نویسی اور بحث امامت میں ایک سیر کرنا ہے نہ کہ مسئلہ امامت کی تحقیق ۔

امام اپنی ہوا و ہوس پر قابو رکھتا ہو

حضرت علی علیہ السلام ۴۵ ویں نامہ کے ضمن میں فرماتے ہیں " ھیھات ان

یغلبنی ھوای" کتنا دور ہے کہ میرے ہوا وہوس مجھ پر غالب آئیں اور مجھے عدالت و حق کی مسیر سے دور کریں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جد حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ شرائط امامت میں بہت سی چیزیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ "لایلھوہ شیٔ من امر الدنیا" مسائل مادی اسے سرگرم نہ کریں (بحار جلد ۲۵/ص ۱۶۴)

شجاع ہو حضرت علیؑ فرماتے ہیں "وما اھدد بالحرب" ابھی تک جنگ نے مجھے نہیں ڈرایا ہے اور میری لوح میں اس نے اثر نہیں کیا ہے۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۷)

امام جعفر صادقؑ حضرت علیؑ سے نقل کرتے ہیں: امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں میں شجاع تریں مرد ہوا (بحار ۲۵ صفحہ/ ۱۶۵) ایک دوسری حدیث میں ہمیں ملتا ہے: امام کوڈرپوک اور بزدل نہیں ہونا چاہیے (بحار جلد ۲۵ صفحہ/ ۱۶۷) موت اور شہادت کا مسئلہ امام کے لئے حل ہونا چاہیے اور حضرت علیؑ فرماتے ہیں: (خدا کی قسم میں موت سے اس طرح مانوس ہوں جتنا بچہ اپنی ماں کے دودھ سے مانوس نہیں ہوتا (نہج البلاغہ خطبہ ۵ صفحہ ۵۷/ فیض الاسلام)

امام صاحب فضیلت ہو

حضرت علیؑ معاویہ کے نام نہج البلاغہ کے دسویں خط میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں: " متی کنتم یا معاویۃ ساسۃ الرعیۃ و ولاۃ امر الامۃ بغیر قدم سابق ولا شرف باسق " (اے معاویہ) تمہیں لوگوں کی سیاست اور حکومت سے کیا کام ہے؟ تمہارا ماضی اچھا ہے نہ ہی تمہیں کوئی شرف حاصل ہے، اور نہ ہی کوئی

فضیلت و بلندی حاصل ہے. جی ہاں امام کو چاہیے کہ وہ اپنے ماضی پر ذرہ برابر بھی کائی دھبہ نہ رکھتا ہو.

امام کے دوسرے صفات

قرآن کے مطابق حکم کرے

" فلعمری ماالامام الا الحاکم بالکتاب "حضرت علیؑ فرماتے ہیں :(اپنی جان کی قسم کوئی لوگوں کاامام نہیں ہے مگروہ شخص جوخدا کی کتاب کےمطابق حکم کرے(ارشاد مفید) امام کو چاہیے کہ وہ دین حق کامقصد ہواور اپنے ہوا و ہوس کےمقابل خود کو کنٹرول میں رکھے " الدائن ندین الحق الحابس نفسه علی ذات الله "(ارشاد مفید)

امام مہربان ترین شخص ہو

حضرت امام رضاؑ صفات امام کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں " اشفق علیهم من آبائهم وامهاتهم " (بحار جلد ۲۵ صفحہ ۱۱۷) (امام) ماں باپ سے زیادہ لوگوں پر مہربان ہوتاہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں ، " عالم با لسیاسة " (بحار جلد ۲۵/ص۔ ۱۴۲ و ۱۶۷) یعنی امام کو چاہیے کہ وہ سیاست کا عالم ہو اپنی اچھی اچھی تدبیروں کے ذریعہ معاشرہ کو ترقی اور

ادارہ کر سکتا ہو۔ " قائم بالامر باسة " (بحار جلد ۲۵ صفحہ ۱۶۷) یعنی امام کو چاہیے کہ وہ خدا کی عظیم ذمہ داریوں کو نبھا سکتا ہو۔

امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی ضرورت کی تمام زبانوں میں بول سکتا ہو " یکلم الناس بکل لسان ولغة" لوگوں کے ساتھ ہر لغت اور زبان میں گفتگو کرتا ہو۔ (بحار جلد ۲۵ صفحہ ۱۴۱)

زہد و تقوی

صفات امام میں سے ایک دنیا سے بے رخی اور اس کا تقوی و زھد ہے۔ حضرت علیؑ اپنے پیوند لگے لباس کے بارے میں فرماتے ہیں " واللہ لقد رقعت مدر عی ھذہ حتی استھحییت من راقعھا " (خدا کی قسم میں اپنے اس لباس میں اتنا پیوند لگا چکا ہوں کہ اب مجھے کسی درزی کے پاس اس کو لے جاتے ہوئے شرم آتی ہے (نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۹)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: " واللہ ماکانت لی فی الخلافة رغبة " (خدا کی قسم مجھے خلافت کے بارے میں کوئی رغبت اور لالچ نہیں ہے۔ (نہج البلاغہ / خطبہ ۱۹۶ / صفحہ ۷۴۲ / صبحی صالح / ۳۲۵)

ہم زھد، سادگی اور غریبوں کے ساتھ ہمنشینی کے بارے میں خود حضرت علیؑ کی زبان سے اس طرح سنتے ہیں " ان اللہ فرض علی ائمہ العدل ان یقدوا نفسھم بضمفه الناس " (نہج البلاغہ / خطبہ ۲۰۰ صفحہ ۶۵۴)

بیشک خداوند عالم نے برحق اور عادل اماموں پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی سادہ بسر کریں تا کہ معاشرہ کے محروم اور غریب لوگوں کے جیسے ہو سکیں اور یہ فقراء کے لئے تسلی کا باعث ہے.

امام کے یہاں شک و تردید نہیں ہے

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: " ما شککت فی الحق مذ اریته " (جیسے ہی مجھ پر حق روشن ہوا ، اس کے بعد سے آج تک میں کسی شک میں مبتلا نہیں ہوا ہوں (نہج البلاغہ / حکمت ۱۷۵) دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں: " ولا ضللت و لا ضل بی " (آج تک گمراہ ہوا ہوں اور نہ ہی کوئی دوسرا میرے گمراہ کرنے کا باعث ہوا ہے (نہج البلاغہ / حکمت ۱۸۷)

امام پر ملامتیں اثر نہیں کرتی ہیں

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: " وانی لمن قوم لا تا خذهم فی الله لومه لا یم " میں ایک ایسی قوم سے ہوں جس پر راہ خدا میں ہرگز ملامت کرنے والوں کی ملامتیں اثر نہیں کرتی ہیں (نہج البلاغہ / فیض الاسلام صفحہ ۸۱۷)

امام کو پیشگام ہونا چاہیے

"من نصب نفسه للناس اماما فعلیه ان یبدء بتعلیم نفسه قبل تعلیم غیره ولیکن تادیبه بسیرته قبل تادیبه بلسانه " (نہج البلاغہ / فیض الاسلام ۱۱۱۷)

(جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کا امام قرار دے اس پر واجب ہے کہ وہ تزکیہ

اور تعلیم اپنے نفس سے شروع کرے اور اس کی تربیتی روش و تعلیم اس کا اپنا عمل ہونا چاہیے اس سے پہلے کہ وہ زبان کے ذریعہ تربیت کرے ۔)

امام کو بے تکلف ہونا چاہیے

خداوندعالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے لوگوں سے کہو کہ میں تم سے کوئی اجرو پاداش چاہتا ہوں اور نہ ہی تکلف ، مشقت اور زورگوئی کرنے والوں میں سے ہوں جو چیز ہے اور واقعیت نہیں رکھتی ہے میں ہرگز اس سے اپنے آپ کو مزین نہ کروں گا میرے کاموں میں اصلاً تصنع نہیں ہے " ومااَنا من المتکلفین " (سورہ ص /آیۃ ۸۶) تکلف یہ ہے کہ انسان حاضر نہیں ہوتا کہ وہ گمنام لوگوں کی دعوت قبول کرے یا اپنے کسی غلط کام پر عذر خواہی کرے یا جس چیز کو نہیں جانتا ہے اس کو شہامت کے ساتھ کہے ۔میں نہیں جانتا ہوں ، یا جس چیز کو نہیں جانتا ہے اس کو کسی سے پوچھے یا جہاں ضرورت ہو کسی سے مشورہ کرے ۔

جو شخص اہل تکلف ہے وہ اپنے سے چھوٹوں کی نسبت ظلم اور بڑوں کی نسبت شخصیت مجروح کرتا ہے ۔ یہ تمام چیزیں تکلف و تصنع کی نشانیاں اور (انسان کی) چھوٹی حرکتیں ہیں ۔امام لوگوں میں متواضع اور مہربان ترین انسان ہوتا ہے ، جیسے ہی لوگ حضرت علیؑ کی طرف احترام کے ساتھ دوڑے آپؑ نے ان کو منع کردیا اور فرمایا ، یہ بات اچھی نہیں ہے اور جب لوگ پیادہ رسولؐ کے ساتھ ساتھ راستہ چلتے تو آپ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے ۔ حضرت رسول اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی سیرت میں تواضع اور بے تکلفی کی بہت سی دلچسپ داستانیں دیکھنے کو

ملتی ہیں ، جن کے نقل کرنے سے اختصار کی وجہ سے پرہیز کرتے ہیں .

امام چاپلوس نہ ہو

ایک آسمانی رہبر کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی تربیت کے کرنے میں مہربانی اور نرمی سے پیش آئے نہ کہ دھوکہ دھی اور چا پلوسی سے ان دونوں کے درمیان جو فرق پایا جاتا ہے اس پر توجہ کرتے ہوئے ہم یہ کہیں گے : کہ امام کو ، عفو ، اغماض اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ جن لوگوں کی میں کسی کی نباء پر کوئی نکتہ ضعف پایاجاتا ہو وہ اس کی پیروی سے مایوس نہ ہو جائیں . امام کو جناب یوسفؑ کی طرح ہونا چاہیے کہ اپنے بھائیوں سے فرماتے ہے : " لا تثریب علیکم الیوم " (یوسف/ آیۃ ۹۲) آج تم پر کوئی ڈانٹ پھٹکا رنہ ہوگی . ایسی روش لوگوں کو اپنی طرف جذب کر کے اسلام کی طرف مائل کرسکتی ہے .

جی ہاں امام و رہبر کو مہربان ہونا چاہیے حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا : " بعثت بمد اداۃ الناس " (نہج الفصاحہ / ۱۰۹۳) میں لوگوں کے ساتھ مہربانی کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں .

نیز دوسری جگہ فرماتے ہیں : خدا نے مجھے لوگوں کی خاطر و ملارات کا حکم اسی طرح دیا ہے جس طرح مجھے روزانہ کی نماز یں اور واجب امور کے انجام دینے کا حکم دیا ہے ."ان اللہ امرنی بمد اداۃ الناس کما امرنی با قامۃ الفر ائض " (نہج الفصاحہ / ۶۷۷ سفینۃ البحار) ایک مشہور حدیث میں ہے : ہم پیغمبر لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق ان سے گفتگو کرتے ہیں . بہت سی روایات میں علماء دانشمندوں کو

تاکید کی گئی ہے کہ وہ جو کچھ جانتے ہو ں (وہ سب لوگوں کو) نہ بتایں بلکہ بتانے سے پہلے لوگوں کی عقل و شعور ، فہم ، مزاج اور حالات کا اندازہ کریں کرو . خلاصہ یہ کہ مہربانی کرنا تمام لوگوں کے لئے ضروری اور رہبری کے لئے شرط لازم ہے .

امام تاریخ سے آگاہ ہو

حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند سے یوں فرماتے ہیں : اے بیٹا !اگرچہ میں نے ان لوگوں کے برابر عمر نہیں پائی ہے جو مجھ سے پہلے چلے گئے ہیں . لیکن میں نے ان کے اعمال ، روش اور تلاش و کوشش کے بارے میں فکر اور ان کی تاریخ ، آثار اور اخبار کے سلسلہ میں سیر کی ہے اور اب ان کے بارے میں اس قدر جانتا ہوں کہ گویا ان کا یک جزء ہوگیا ہوں[1] .

اپنے مقام سے سوء استفادہ نہ کرے

خدا اس سلسلہ میں اپنے رسول کے بارے میں فرماتا ہے "ماکان لبشران یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ " آل عمران / آیۃ/ ۷۹ کسی بشر کے لئے بھی سزاوار نہیں ہے کہ خدا جب اس کو حکمت و نبوت سے نوازے تو وہ لوگوں سے کہے کہ میرے غلام بن کے رہو اس لئے کہ بندگی صرف اور صرف خدا سے مخصوص ہے.

۱۔ " ای بنی انی وان لم اکن عمرت عمرمن کان قبلی فقد نظرت فی اعمالھم و فکرت فی اخبارھم وسیرت فی آثارھم حتی عدت کاحدھم " (نہج البلاغہ / صبحی صالح / وصیت ۳۱ صفحہ / ۳۹۴).

لوگوں کی شکایات کو پہنچے

حضرت علیؑ شکایات پر خصوصی توجہ دیتے تھے آپ متہم کو بلاتے اور اس کے بارے میں تحقیقات اور اس کے مالی حساب پر دقت کرتے تھے، بارہا نمایندوں اپنے سے فرماتے :" فارفع الی حسابک" (نامہ ۴۰ ، نہج البلاغہ ، صفحہ ۴۱۲) اپنی فعالیت ، کارنامہ اور حساب میرے پاس لاؤ اور مجھے حساب دکھاؤ

صبر و یقین

شرائط اور صفات امام میں سے ایک دوسری صفت یقین ہے قرآن سلسلہ میں فرماتا ہے : " وجعلنا منهم آئمه یهدون بامرنا لما صبرو کانوا بایا تنا یوقنون "

نبی اسرائیل میں سے جب کچھ لوگوں نے (مصیبتوں) پر صبر کیا تو ہم نے ان کو پیشوا بنادیا جو ہمارے حکم سے (لوگوں کی) ھدایت کرتے تھے اور (اس کے علاوہ) ہماری آیتوں کا سے یقین بھی رکھتے تھے یقین تمام معنوی کمالات ، عصمتوں اور آرام و سکون کا سر چشمہ ہے .

آزادی

امام کو چاہیے کہ وہ ہر طرح کے قید وبند اور غیر معبود سے وابستگی مثلاً قوم و قبیلہ اور کسی پارٹی کی وابستگی سے دور ہو .

مادی توقعات نہ رکھتا ہو

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے پانچویں نامہ میں آزر بائجان کے گورنر کو لکھتے ہیں " ان عملک لیس لک بطعمة و لکنه فی عنقک امانة " (فیض الاسلام نامہ ۵ صفحہ ۸۳۹) . (بیشک تمہارا مقام اور عمل تمہارے لئے ایک امانت اور مسئولیت ہے نہ کہ رزق اور رفاہ زندگی کا وسیلہ .)

قرآن انبیاءؑ کے امتیازات میں سے ایک یوں بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ ہرگز کسی شخص سے بھی مادی توقعات اور انتظار نہ رکھتے تھے [۱] .

صفات امام کا دوسرا گوشہ

امام خدا کی حجت ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سے کیسا ہونا چاہیے .

امام نور ہے حقائق و استعداد اور صلاحیتوں کو روشن اور جہل و شرک، ظلم و ستم کے تاریکی پردوں کو اٹھاتا ہے. امام امین ہے لوگوں اور ان کی صلاحیتوں کو اپنی طرف جذب نہیں کرتا بلکہ خلق خدا کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے. امام تمام علوم، کمالات اور وراثتی تمام امتیازات کا وارث ہوتا ہے . امام ثار اللہ ہے وہ بے روح اور مردہ معاشرہ کے پیکر میں ایک پاکیزہ خون ہوتا ہے .

۱۔ شعراء / آیت ۱۰۹ تا ۱۸۰ حضرت نوحؑ ، ہودؑ ، صالحؑ ، شعیبؑ اور جناب لوطؑ کا قول نقل کرتا ہے کہ وہ کہتے " ان اجری الا علی رب العالمین " ہم سوائے اپنے پروردگار کے دوسروں سے کوئی اجر و پاداش نہیں چاہتے ہیں.

امام کی صفتیں

قال الامام امیر المومنینؑ " ان احق الناس بھذاالامر اقواھم علیه واعلمھم بامر اللہ فیه" (فیض الاسلام صفحہ ۵۴۹ خطبہ ۱۷۲)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں " بیشک امت کی رہبری اور اس امر امامت کے لئے سزاوار ترین شخص وہ ہے جو تمام لوگوں کی نسبت قوی اور لائق ہو نیزفرمان خدا کی نسبت زیادہ جانتا ہوقدرت اورعلم و آگاھی دوایسی شرط ہیں جوامام کیلئے ضروری ہیں .

دوسری جگہ اسی خطبہ میں فرماتے ہیں : " لایحمل ھزا العلم الا اھل البصر والصبر والعلم بمواقع الحق " (فیض الاسلام / صفحہ ۵۵۹ / خطبہ ۱۷۲)

(تنہا وہ شخص اس رہبری کے پرچم کو اٹھا سکتا ہے جو حق کے مواقع سے آشنا اور بصیرت ، علم اور صبر کا مالک ہو .)

امام اور حقوق میں مساوات

حضرت علیؑ اس طرح فرماتے ہیں " انما انا رجل منکم لی ما لکم و علی ما علیکم" (حاشیہ شرح ابن ابی الحدید جلد ، صفحہ ۳۱۲) میں تم میں سے ہی تمہارا جیسا ایک بشر ہوں ، جو تمہارے لئے ہے وہی میرے لئےبھی ہے اور جو نفع نقصان اور حکم تمہارے اوپر لاگوہے وہی میرے اوپر بھی ہے ہم سب حقوق میں مساوی ہیں .

منافع اسلام کی حفاظت

حضرت علیؑ کو ان کے اپنے مسلم حق سے کنارہ کش اور الگ کردیا گیا لیکن آپ نے صبر کیا، اور فرمایا ہیں: اگر مسلمانوں کے امور بخوبی حل ہو جا ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں میں اپنے اوپر ظلم سہہ لوں گا)[۱].

دوسری جگہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم اگر درمیان میں فتنہ و فساد کا احتمال نہ ہوتا تو میں اس روش کے علاوہ کوئی دوسری راہ اختیار کرتا اور مسلحانہ قیام کے ذریعہ اپنا حق لے لیتا (نہج البلاغہ خطبہ ۱۱۹).

جناب ابن عباس نے حضرت علیؑ سے فرمایا: عثمان کی شش نفری شوری میں شرکت نہ کیجئے اس لئے کہ (پہلے سے) پروگروم اس طرح طے ہو چکا ہے کہ آپ کو عملی طور پر حذف کردیں گے. امام نے فرمایا: چونکہ مدعو کیا گیا ہوں لہذا جاوں گا اس لئے کہ مجھے وعدہ خلافی اور تخلف پسند نہیں ہے اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے جلسہ مختل ہو جائے.

۱۔ " لقدعلمتم انی احق الناس بها من غیری و والله لا سلمن ما سلمت امورا المسلمین و لم یکن فیها جود الا علی خاصته" (سیری در نہج البلاغہ. صفحہ ۱۸۲)

شیوۂ انتخاب

طریقۂ تعیین رہبر و امام

معاشرہ میں آج کسی بھی عہدہ اور رہبر کے تعیین کا بہترین طریقہ ، طریقہ انتخابات ہے. یہ طریقہ ممکن ہے راہ حل ہو لیکن یہ ہر جگہ راہ حل نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ انتخابات ہرگز و اقعیات کو تبدیل نہیں کرتے ہیں کسی حق کو باطل کرتے ہیں اور نہ ہی کسی باطل کو حق . اگر حق ہے تو اقلیت کی طرفداری سے باطل نہ ہوگا اور باطل ہے تو اکثریت کی رائے سے حق نہیں ہوگا .

اور ہرگز کوئی علمی اور عقلی دلیل و برھان یہ نہیں کہتی ہے کہ جس چیز نے ۵۱ افراد کی رائے حاصل کی ہے وہ اس چیز سے بہتر ہے جس نے ۴۹ افراد کی رائے حاصل کی ہے . مقام عمل میں اکثریت کی رائے دیکھی جاتی ہے لیکن کیا یہ نشان دہندہ حقانیت و واقعیت ہے ؟ ہرگز نہیں اصولاً اسلامی حکومت دستور الہی پر استوار ہے اور لوگوں (کی اکثریت واقلیت) کو کوئی حق نہیں دیا گیا ہے اس لئے کہ حکومت ، حکومت خدا ہے اور بس .

اور یہ کتنا اچھا ہے کہ خدا ہی انسانوں کے لئے امام کا تعین کرے ، وہ خدا کہ جو بہتر جانتا ہے اور زیادہ مہربان ہے . یہ تو رہا ایک طرف .

اور دوسری طرف تقریبا ۸۰ جگہوں پر قرآن میں اکثریت کی مذمت کی گئی ہے حتی سورہ انعام کی ۱۱۵ ویں آیت میں ارشاد ہے " وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون"

(روئے زمین پر لوگوں کی اکثرت ایسی بھی ہے کہ (اے رسولؐ !) اگر تم ان کے کہنے پر چلو تو تم کو خدا کی راہ سے بہکادیں کیونکہ یہ لوگ تو اپنے شخصی خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل بچو باتیں کیا کرتے ہیں)

جی ہاں جس اکثریت نے ترقی اور تربیت حاصل نہ کی ہو اس کو مورد عنایت قرار نہیں دینا چاہیے لیکن اب رہا اسلام میں شوریٰ کا مسئلہ تو وہ وضع قانون سے مربوط ہے اور نہ ہی تعیین رہبر ہے بلکہ وہ اجتماعی احکام کی کیفیت اجراء سے مربوط ہے .

سچ بتائیں کہ کیا رکعات نماز میں مشورے کی کوئی گنجائش ہے . پس اگر لوگ کسورہ (مٹی کے برتن) کے اطراف جمع ہو جائیں تو کیا وہ در بن جائے گا یا اگر سونے کو پھنیک دیں تو کیا کسورہ بن جائے گا ؟

آیات شوری کے علاوہ اکثریت کی رائے معتبر ہونے پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے . بلکہ جیسا کہ لفظ شورئے کے معنی سے سمجھ میں آتا ہے . کہ یہ بہترین نظریوں کے استخراج کے معنی میں ہے . نہ کہ یہ بیشتر نظریوں کے معنی میں شور

کا لفظ دوسروں کے نظریوں کے بارے میں آشنائی اور عالی ترین نظریات چنے جانے کے لئے وضع ہوا ہے . قرآن مسئلہ مشورت کے سلسلہ میں ایک مثلث بیان کرتا ہے کہ اس کا ایک ضلع اور پہلو ، نظریات و مشوروں سے آشنائی پیدا کرنے کے معنی میں ہے . دوسرا پہلو انسان کی خود تصمیم گیری کے معنی میں ہے اور تیسرا توکل بر خدا کے معنی میں ہے .

سچ بتائیں . اگر لوگوں کی اکثریت کو قدرت و طاقت حاصل ہو جائے تو کیا وہ اپنے حق پر قانع ہے یا ظلم اور تجاوزکرے گی ؟ کیا اکثر لوگ امین ہیں ؟ کیا لوگوں کی اکثریت اپنے منافع اور دوسروں کے منافع کو ایک آنکھ سے دیکھتی ہے ؟!

البتہ دانشوروں کو اس حقیقت کا اعتراف ہےکہ مجتمع افراد کی اکثریت کا ووٹ بسا اوقات اشتباہ ہوتا ہے لیکن اسی کے باو جود لوگ اس کو قبول کرنے پر مجبور ہوئے ہیں . کیونکہ دوسرے تمام طریقوں میں نقص زیادہ ہیں اور انتخات میں کم ہیں . لیکن خدا پر ایمان رکھنے عالے مومنین کا معاشرہ روشن آیات و روایات اور نص صریح کے ہوتے ہوئے (سوائے ان کو اجراء کرنے کی صورتوں میں) اپنے اندر اکثریت و شوری کے پیچھے دوڑنے کی ضرورتوں کو محسوس نہیں کرتا ہے-بلکہ وہ تو اسی طرح خدا کے حکم و قانوں پر قاطعیت ، سرگرمی اور ہر طرح کے خوف و ہراس سے بے بہرہ ہو کہ عمل کرتا ہے .

میں پھر کہتا ہوں کہ اکثریت ، راہ حل ہے لیکن ہر جگہ راہ حق نہیں ہے. عنقریب انتخابات کے بارے میں اانشاء اللہ گفتگو ہو گی .

تلخ تجربے

تاریخ گواہ ہے کہ بارہا انتخابات میں ایسے لوگ اکثریت رائے سے منتخب ہوئے ہیں کہ دیر یا جلد ہی لوگوں پر روشن ہوگیا کہ انتخابات میں دھوکہ ہوا ہے. کیسے کیسے لوگوں کو ہم بہترین انسان سمجھتے رہے اور ان کو رائے دینے کے علاوہ اپنی جانیں تک ان پر قربان کرنے کو تیار تھے لیکن وہ لوگ اس لئے ریا کاری، تظاہر اور سیاست سے کام لیتے تھے کہ ان کے بارے میں احتمال خلاف کے بھی نہیں ہوتا تھا مگر جب کچھ اس طرح کے واقعات سے سابقہ پڑاتو حقایق روشن ہوئے، جب انھوں نے پانی سے سر نکالا تو کچھ اور بن کے نکلے مال و مقام نے ان کو بدل ڈالا تھا.

سچ بتائیں . ہمیں علم غیب تو نہیں ہے آیندہ کے حالات اور لوگوں کے باطن سے بے خبر ہیں پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم کسی شخص کے بارے میں صد در صد صحیح رائے قائم کر سکیں ؟!

سچ بتائیں . کیا انسان کے حالات قابل تغیر نہیں ہیں کیا شک یقین اور یقین شک میں تبدیل نہیں ہو جا تا ہے ؟! کیا خوف و ہراس میں ایمان نہیں بدل جاتا اور ایمان کبھی کبھی ارتداد کی منزلوں تک نہیں پہونچ جاتا ہے ؟! ہمارے پاس کتنے ایسے لوگونکی مثالیں ہیں کہ جو صاحب امید تھے مایوس ہوگئے. کتنے ایسے لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں کسی خیر کا گمان بھی نہیں ہوتا تھا اچانک حالات نے پلٹا کھایا اور وہ لاکھوں خیر و برکت کے مالک ہوگئے.

فرعون کے مزدور ساحروں نے جناب موسیٰؑ کی آبروریزی کے لئے کیا کچھ نہیں کیا تھا کہ اچانک موسیٰؑ کے بہترین طرفدار پانی سے نکل آئے اور کیا بلعم باعورا نام کا ایک دانشمند مرد نہیں تھا کہ جو دنیا کی محبت میں اپنے تمام کمالات کھو بیٹھا تھا . اس طرح کے نمونے بیان کرنے سے ہماری غرض لوگوں کی رائے اور انتخابات کو کچلنا نہیں ہے بلکہ ہمارا ہدف یہ ہے کہ انتخابات ،مجبوریوں اور بند راستوں کے لئے تو راہ حل ہوسکتے ہیں لیکن ایک الہی ، علمی اور صد در صد قطعی راہ نہیں ہو سکتے ہیں .

بنابرایں ایک بہترین راہ و ہی راہ اسلام ہے اور بس . البتہ انتخابات کو قرعہ کشی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے کہ جو بعض موارد میں راہ حل ہے نہ کہ ایک علمی او عقلی راہ مذکورہ مطالب کی وضاحت کے لئے امام سجادؑ کی ایک دلچسپ حدیث ہم بحار الانوار جلد ۴۷ صفحہ ۱۸۴ سے نقل کرتے ہیں . " اذا رایتم الرجل قد حسن سمته وهديه وتماوت في منطقه و تخاضع في حركاته فرويدا لا يغركم "

(جس وقت تم کسی مرد کو دیکھو کہ خوش اخلاق ہے اور اس کی شکل و سیرت بھی اچھی ہے خود کو عابد و زاہد او اپنی حرکات و سکنات میں بہت ہی زیادہ شکستہ نفسی کا مظاہرہ پیش کرتا ہے (تو ٹھر جاؤ اور اسے ایسا کرنے کی) مہلت دو اور جلدی نہ کرو تا کہ وہ تمہیں دھوکہ نہ دے سکے .)

امام اس صبر کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں . " فما اكثر من يعجزه تناول الدنيا و ركوب الحرام منها لضعف بنيته ومهانته و جبن قلبه فنصب الدين

فخالها فهو لا یزال یختل الناس بطاھرۃ فان تمکن من حرام اقتحمہ "

کتنے ایسے لوگ ہیں جو دنیا حاصل کرنے پر مجبور ہیں اور ان کے دنیا تک نہ پہنچنے کا سبب خود ان کی جسمی کمزوری ، عدم لیاقت ،شخصیت و مقام کی کمی اور خوف و ہراس ہے (نہ کہ ایمان وتقوی سبب ہے) کیونکہ کمزور ، بے شخصیت یا ڈرپوک ہیں اس لئے دین کو دنیا تک پہنچنے کیلئے فروخت کرتے اور ہمیشہ لوگوں کو اپنے ظاہر سے دھوکہ دیتے ہیں اگر وہ حرام تک پہنچنے پر قادر ہوتے تو اپنے کو بے اختیار اس پر گرا دیتے ہیں . امام حدیث کی تکمیل اس طرح فرماتے ہیں "واذا وجدتموہ یعف عن مال الحرام فروید الا یفرکم فان شھوات الخلق مختلفۃ فما اکثر من ینبوا عن المال الحرام وان کثر و یحمل نفسہ علی شو ھا قبیحۃ فیاتی منھا محرما "

(اور اگر تم دیکھو کہ وہ مال حرام سے بھی پرہیز کرتا ہےتو تب بھی ٹھہر جاو اور اس کی خوبیوں کے بارے میں جلدی قضاوت نہ کرو کیونکہ لوگوں کی خواہشات مختلف ہیں اور کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جو مال حرام سے پرہیز کرتے ہیں حتی مال حرام کی فراوانی بھی ان کو اپنی پلیٹ میں نہیں لے پاتی ہے لیکن اپنے آپ کو ناپسند اعمال پر وادار اور حرام کے مرتکب ہوتے ہیں)

امام کی حدیث پر غور کریں اور لوگوں کو اچھی طرح پہچانیں امام اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں "فاذاوجدتموۃ یعف عن ذالک فروید الا یغرکم حتی تنظروا ما عقدۃ عقلہ فما اکثر من ترک ذالک اجمع ثم لا یر جع الی عقل متین فیکون مایفسدہ بجھلہ اکثر مما یصلحہ بعقلہ "

(اور جب دیکھو کہ وہ تمام برے اعمال سے بھی پر ھیز کرتا ہے تب بھی اس کو آزماو اور دیکھو اس کا انگیزہ عقل کیا ہے تا کہ وہ تمہیں فریب نہ دے سکے اسلئے کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو تمام برے اعمال سے پرہیز کرتے ہیں لیکن عقلائی بصیرت نہیں رکھتے ہیں ، چونکہ ان کا شعور فکری کم ہوتا ہے لہذا اصلاح کے بجائے فساد پہ ہاتھ ڈالتے ہیں .) اس کے بعد فرماتے ہیں : " فاذا وجدتم عقله متينا فرويدالا يغركم حتى تنظروا امع هواة يكون على عقله او يكون مع عقله على هواة فكيف محبته للراسات الباطلة وزهدة فيها فان فى الناس من خسر الدنيا والا خر ة يترك الدنيا للد نيا.... "

(اور اگر دیکھو کہ وہ عقل متین کا بھی مالک ہے تب بھی اس کے فریبی جال سے بچنے کے لئے صبر کرو اور دیکھو کہ وہ اپنے ہوائے نفس کے ذریعہ اپنی عقل کو کچلتا ہے یا یہ کہ اپنے ہوائے نفس کو عقل کے ذریعہ مارتا ہے اور اس کے خلاف قیام کرتا ہے ، با طل حکومتوں سے اس کو کسی قدر لگاو اور محبت ہے ؟ کیونکہ لوگوں کے درمیان کچھ ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو دنیا و آخرت دونوں کے خسارے میں ہیں اس لئے کہ یہ لوگ دنیا کو خدا کے لئے نہیں بلکہ دنیا کی باطل ریاستوں تک رسائی پانے کے لئے چھوڑتے ہیں . ان کی نظر میں ریاست و مقام کی لذت ، مال و دنیا کی لذت سے بیشتر ہے .

آخر میں امام فرماتے ہیں کہ انسان وا قعی وہ شخص ہے جو حق کے ساتھ ذلت کو باطل کے ساتھ عزت سے بہتر جانتا ہو (ذلت کی زندگی سے ۔ ہے عزت

کی موت بہتر) (بحار جلد ۷۴، صفحہ ۱۸۴)

اس طویل و عریض حدیث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ : مکر و فریب اور دھوکہ دھی کی ان تمام راہوں اور لوگوں کی ریا کاری و تصنع کے باوجود کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک طرح کی معمولی اور سطحی آشائی اور معرفتوں کے باعث ، رہبری امت کی تقدیر انتخابات کے ذریعہ لکھ دی جائے . خلاصہ یہ کہ ہم پھرکہتے ہیں : انتخابات راہ حل تو ہو سکتے ہیں لیکن تمام جگہوں پر راہ حل بھی ہو جائیں نا ممکن ہے .

ایک دوسری حدیث میں حضرت امام جعفر صادق ؑ فرماتے ہیں "اذاکان لک صدیق فولی ولا یه فاصبته علی العشرمماکان لک علیه قبل ولایته فلیس بصدیق سوء ." (بحار جلد ۷۴، ص ۱۵۷) (جب کبھی تمہارا دوست کسی مقام و ریاست کو پہنچ جائے اب اگر وہ اس محبت و وفاداری کا ایک عشر بھی رکھتا ہو جو اس کو تمہاری نسبت اس مقام پر پہنچنے سے پہلے تھی تو وہ دوست برا نہیں ہے .)

توجہ کریں کہ کس قدر ریاست انسان کو بدل ڈالتی ہے . بناء براین کتنے ایسے باوفا اور محبت سے بھر پور افراد ہیں کہ مقام حاصل کرنے کے بعد بدل جاتے ہیں .

یہی تو سارے وجوہات ہیں جن کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ رہبر کا تعین خدا کی طرف سے ہونا چاہیے وہ عالم الغیب ہے لوگوں کے آیندہ حالات کو جانتا ہے : " الله اعلم حیث یجعل رسالته " (انعام / آیت ۱۲۴)

ہر فیصلہ حق نہیں ہوتا

جناب جابر سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں :

"واعلم بانک لا تکون لنا ولیا حتی لو اجتمع علیک اهل مصرک و قالوا انک رجل سوء لم یحزنک ولو قالوا انک رجل صالح لم یسرک ذالک ولکن اعرض نفسک علی ماقی کتاب الله " (بزرگسالان جلد ۱ / صفحہ ۳۴۱)

(اے جابر ! تم ہمارے ولی نہ ہوگے مگر اس وقت کہ جب تمام شہر کے لوگ تمہارے بارے میں اگر کہیں کہ : فلاں مرد برا ہے تو برا نہ ماننا اور اگر کہیں کہ ایک اچھا مرد ہے تو خوش نہ ہونا بلکہ اپنی شناخت کی خاطر خود کو کتاب خدا کے لئے وقف کردینا) اس حدیث سے بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ تمام جگہوں پر لوگوں کی رائے ، تضاوت اور انتخاب (کسی چیز کی) حقانیت یا باطل ہونے پر دلیل نہیں ہے . مسئلہ امامت ، مسائل اعتقادی کا اساسی ترین اور معاشرہ کی ہدایت و رشد کا باعث ہے اور متعدد روایات کے مطابق رہبر حق کے بغیر عبادتیں بھی قبول نہیں ہیں اگر چہ پوری عمر دن رات سخت سے سخت عبادتیں انسان بجائے .

"والله ،وان رجلا صام النهاروقام اللیل ثم لقی الله بغیر ولایتنا للقیه وهو غیرراض اوساخط علیه " (بحار جلد ۲۶ / صفحہ ۹۰)

(خدا کی قسم اگر کوئی شخص دن کو روزہ رکھے اور رات کو نمازیں پڑھے لیکن ہماری رہبری و ولایت کو قبول نہ کرتا ہو تو روز قیامت اس پر خدا کا غضب برسے

گا یا خدا اس سے راضی نہ ہو گا .) اور اس کے باوجود کہ تاریخ میں قوم و ملت کی تقدیریں سنوار نے والا یہی مسئلہ رہبری ہے اور کہ غافل کنندہ ، و سوسہ و تہدید اور طمع آمیز راہیں باز ہیں ، کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو جھوٹے اور مکار امام اور رہبروں کے حوالے کرکے بہت سے گروہوں کو نیستی و بدبختی کی طرف ڈھکیل دیا ہے . لہذا ان تمام چیزوں کے بعد بہتر کہ ہم شیوۂ تعیین رہبر اور امام حق کو باطل امام سے پہچاننے کی راہوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کریں .

لیکن برا نہیں ہے کہ پہلے ہم دنیا میں رائج طریقوں پر ایک نظر ڈال لیں ، اس کے بعد دونوں سے مقائسہ کرتے ہوئے اسلام کی اہمیت کو اجاگر کریں .

دنیا میں انتخاب کے طریقے

دنیا میں رہبر حضرات یا تو اچانک قیام و سازش ، ظلم و جور اور اپنے قوت باز کے طریقہ سے لوگوں کی رہبری اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں ، یا اقلیت اور شخصی پارلمینٹ کے ذریعہ منتخب ہو جاتے ہیں یا انتخابات اور رفرنڈم کے راستے اور یا پھر وراثت و جانشینی کے ذریعہ (رہبر بن بیٹھتے ہیں .)

اور یہ بات واضح ہے کہ ناگہانی قیام اور سازش کے ذریعہ رہبر بننا ظلم ہے اور اقلیت کے ذریعے معین کرنا ، اکثریت کی رائے کو نظر انداز کرنا ہے اور جانشینی بھی دوسرے پر بار ڈالنا ہے اور رفرانڈم و انتخابات میں بھی کچھ عیوب پائے جائے ہیں لہذا تنہا راہ حق اور بے عیب راہ الٰہی رہ جاتی ہے یعنی معصوم رہبر انبیاء ؑ کی طرح خدا کی طرف سے معین ہونا چاہیے .

تنہا خدا کی طرف سے امام کا انتخاب ہونا چاہئے

جب خدا وندعالم نے جناب ابراہیمؑ کا امتحان حوادث سے مثلاً جان و مال اور زوجہ و غیرہ کے فوت ہوجانے کے ذریعہ لیا ہے اور وہ تمام الٰہی امتحانات میں کامیاب ہوگئے تب ان کو خدا نے مقام امامت و رہبری پر فائز کیا اور فرمایا ۔

" انی جاعلک للناس اماما " (بقرہ / آیت ۱۲۴) میں نے تمہیں لوگوں (کی فلاح و بہبودی) کے لئے مقام امامت پر نصب اور فائز کیا ہے ۔

مذکورہ آیت کے اس جملے " انی جاعلک " سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے ہاتھوں امام منصوب ہونا چاہیے اور بس ۔

امام کو انسان اور ہستی پر حاکمیت کےتمام قوانین جاننا چاہیے ، امام کو چاہیے کہ وہ جس راہ کو اختیار کررہا ہےاس کے (تمام نشیب و فراز اور) حتمی نتیجہ سے آگاہ ہو ۔ امام کو چاہیے کہ وہ اپنی رہبری میں اپنےمفاد کو مدنظر نہ رکھے اوراس کو باطنی و ظاہری عوامل حرکت میں نہ لاتے ہوں ، امام کوچاہیےکہ وہ انسانیت کے برجستہ اور عالی ترین صفات سے متصف ہو ۔

یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ان (جیسے) شرائط کا وجود معمولی قسم کے لوگوں کے یہاں پایا نہیں جاتا ہے (دوسرے اگر کچھ) لوگوں کے یہاں یہ شرائط پائے بھی جاتے ہوں تو عوام ان سے بے خبر ہوتی ہے ۔ فارسی زبان میں ایک شعر ہے ۔

ہر چہ بگندد نمکش می زنند   وای بہ روزی کہ بگندد نمک

جن لوگوں کے یہاں نقطہ ضعف ، جہل اور انحراف پایا جاتا ہے انہیں واحد شرائط معصوم امام کی رہبری سے ہدایت پانا چاہیے . وائے ہو اس دن پر جب خود رہبر اور امام میں انحراف ، ضعف ، جہل ، تردید اور بخل ، ترس اور غرور و گھمنڈ پایا جائے .

تلخ تجربات

بنابراین ، عوام کو غیر معصوم امام کے حوالے کر دینا بھی انسانیت پر ظلم اور توہین ہے . اور ایسے ہی امام اور رہبری کی شناخت بھی خود عوام کو سونپنا کہ جسے غیب کی خبر نہ ہو . ظلم ہے اور عوام بھی ایسی کہ جس نے معمولاً رشدو ترقی نہ کی ہو اور اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہو .

دور کیوں جائیں ان ہی ترقی یافتہ معاشروں کو لے لیجئے اور کہئے کہ فلاں شخص گمنام فلاں گروہ اور حزب سے بہتر ساست داں ، تجربہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ انتخاب و تصمیم گیری اور معاشرہ کو رشد دینے کی صلاحیت و قدرت رکھتا ہے تو کیا دنیا ئے شرق و غرب قبول کرے گی ؟ ہرگز نہیں کیونکہ انسان اپنے فطری تقاضوں اور غرائز کا محکوم ہے اور بہت ہی کم ایسے افراد ہیں ، جو صد در صد حق بین ، حاکمیت ، تنگ نظری اور قبیلہ پرستی وغیرہ سے پاک ہوں ؟ !

قرآن میں ہم پڑھتے ہیں کہ لوگوں نے اعتراض کیا کہ کیوں قرآن دونوں قریوں (مکہ و طائف) میں سرشناس اور کسی معروف شخص پر نازل نہیں ہوا ؟ !

" وقالو الو لا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم " زخرف / آیت ۳۱)

ترجمہ اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ و طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا وہ لوگ خیال کرتے تھے فلاں شخص چونکہ سرشناس ، مشہور و معروف اور سرمایہ دار ہے لہذا وحی بھی اس پر نازل ہونی چاہیے تھی !! یہ ہے بہت سے لوگوں کے شعور کا نمونہ جیسے ہی جناب طالوت خدا کی طرف سے فوج کے سپہ سالار ہوئے تو بہت سے لوگوں نے ان کی سپہ سالاری کو فقط اس لئے قبول نہیں کیا کہ وہ فقیر اور تہی دست تھے (بقرہ/ آیت ۲۴۷)

کیا ایسا نہیں ہے کہ جس وقت رسول اکرم نماز جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ مال تجارت کے (مخصوص) طبل کی آواز بلند ہوئی تو یکایک تمام لوگ رسول خدا کا خطبہ چھوڑ کر بھاگے اور خریداری میں مشغول ہو گئے ،سوائے چند لوگوں کے کوئی باقی نہ رہا تھا خلاصہ یہ کہ ان (تاریخی) تجربوں کی تلخیوں کےباوجود کیسے ہو سکتا ہےکہ ہم ایک رہبری جیسا مہم مسئلہ لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑدیں . ہرگز نہیں .)

یہ ہے دلیل ہمارے اس عقیدہ کی جوہم رہبری امت کے مسئلہ میں رکھتے ہیں کہ امام رسول کی طرح صرف خدا کی طرف سے معین ہونا چاہیے . یہاں ہم مرحوم آیت اللہ شہید صدر (قدس سرہ) کا ایک بیان نقل کرتے ہیں کہ جس میں آپ چند مقدمے ذکر کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شیوۂ تعیین امام تنہاراہ انتصاب اور خدا و رسول کی جانب سے ہونا چاہیے اور وہ مقدمات یہ ہیں .

۱ ۔ ایک طرف رسول ہمیشہ ہر طرح کی تبدیلیاں لانے ، ایک بہت بڑے اعتقادی ، فکری ، علمی اور سیاسی انقلاب کے عہدہ دار اور ایک جاہلی سسٹم کو ایک

نظام اسلامی و انسانی سسٹم میں تبدیل کرنے کے مسئول تھے ۔

۲ ۔ دوسری طرف بعثت کی ۲۳ سالہ مدت ، اور وہ بھی اس طرح کہ مسلمانوں پر مکہ میں گھٹن دباؤ اور خوف و ہراس جیسی وضعیت اور مدینہ میں طرح طرح کی مشکلات ، جنگوں اور دشمنوں کی سازشوں کا متحمل ہونا واقعاً ۲۳ سالہ مدت اپنی وہ تمام گرفتاریوں کے باوجود اس میں تبدیلی کے لئے کم ہے ۔

۳ ۔ دوسری بات کہ جسے ہم کو فراموش نہیں کرنا چاہیے یہ ہے کہ رسولؐ ناگہاں دنیا سے نہیں چلے گئے ہیں کہ ہم کہہ سکیں کہ آنحضرتؐ کو امت کی رہبری پر غور و فکر کی فرصت نہیں ملی ہے ۔

خلاصہ یہ کہ ۲۳ سالہ مدت وہ سب تبدیلیاں لانے کے لئے کم ہے جب کہ رسولؐ کے بعد کار رسالت کو جاری رہنا تھا ۔

کسی بھی کام کی پائداری ودوام کیلئے چند نظریے ہیں جن پر ہم ایک نظر ڈالتے ہیں

۱ ۔ یاتو یہ کہیں کہ رسولؐ ایک بے طرف انسان تھے اور وہؐ انقلاب اور لوگوں کی ہدایت کی کچھ فکر کئے بغیر دنیا سے چلے گئے ہیں ۔

یہ نظریہ قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ :

ایک معمولی سے معمولی انسان بھی حاضر نہیں ہوتا کہ اپنے اس چھوٹے سے چھوٹے کام کو جس کو وہ (بڑی بڑی زحمتیں اور دلسوزی کے بعد) انجام دے چکا ہو کسی کے سپرد کئے بغیر ایسے ہی دنیا سے چلاجائے ، جب کہ حضرت رسول اکرمؐ نے تو اپنے کار رسالت کی ادائیگی میں ایسے دلسوز تھے کہ قرآن بیان کرتا ہے " حریص

علیکم " (توبہ / آیت ۱۲۸)

رسولؐ تمہارے لئے انگاروں پر لوٹتا ہے اور وہ تمہاری ہدایت کے لئے حریص ہے ۔ دوسری جگہ خداوندعالم اپنے رسولؐ کے بارے میں فرماتا ہے : "لعلک باخع نفسک" (کہف / آیت ۶) گویا تم (اس مصیبت سے کہ کیوں لوگ راہ راست پر نہیں آتے) اپنے آپ کو قتل کر ڈالوگے ۔

جو رسولؐ اس قدر لوگوں کی ہدایت اور معاشرہ کے اسلامی نظام کے لئے با وفا اور عاشق ہو کیا وہ حاضر ہوگا کہ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ جائے؟ کیا رسولؐ نے جنگ تبوک کے موقع پر جو اسی (۸۰) دن تک جاری تھی کسی کو اپنی جگہ پر نہیں چھوڑا تھا ۔؟ !

آیا ابوبکر حاضر تھے کہ لوگوں کو یونہی چھوڑجائیں اور ان کو عمر کے حوالے نہ کریں ؟ کیا قبول کیا جاسکتا ہے کہ ابوبکر تو اپنے بعد مسلمانوں کے لئے فکر مند ہوں لیکن حضرت محمد مصطفےٰؐ نہ ہوں ؟ لہذا یہ نظریہ قابل نہیں ہے ۔

۲ ۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ہم کہیں کہ رسولؐ دنیا سے چلے گئے اور امت کی رہبری خود شوریٰ اور لوگوں کے انتخاب پر چھوڑ گئے ہیں ۔

یہ نظریہ بھی سوال طلب ہے کہ کیوں ابوبکر نے رسولؐ کی طرح امت کی رہبری کو شوریٰ پر نہیں چھوڑا اور شخصاً دخالت دی اور عمر کو منصوب کیا ؟ ! ! !

کیوں عمر نے رہبری امت کے مسئلہ میں رفرنڈم سے کام نہیں لیا ؟ ! بلکہ ایک شوریٰ تشکیل دی جو چھ (۶) افراد پر مشتمل تھی اور وہ بھی ایک ایسی شوریٰ کہ

جو آمرانہ تھی کیونکہ کہہ دیا تھا کہ اس شوری میں وہ شخص رہبر اور خلیفہ ہوگا کہ جس کی تائید ان چھ افراد میں سے عبد الرحمن ابن عوف کرے گا ؟!

یہ کیسی شوری ہے کہ جس کے اراکین میں ایک شخص کو دخالت کا اتنا حق حاصل ہو کہ وہ جس گروہ کے ساتھ ہوگا اسی کا نظریہ قابل قبول ہوگا یہ شوری ہے یا ڈکٹیٹری ؟!!

دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ دوسرے نظریہ کے مطابق ماجرائے غدیر خم کا کیا جواب دیا جائے گا ؟!!

اب جب کہ دونوں نظریے قابل قبول نہیں ہیں. تنہا ایک راہ باقی رہ جاتی ہے جو ایک تیسرا نظریہ ہے کہ خود وہ رسولؐ کہ جو لوگوں کے لئے اس قدر دلسوز ہے وہی کسی ایسے شخص کو جو مکتب کی شناخت اور عملی لحاظ سے معاشرہ کی رہبری، رشد اور ادارہ کرنے کی صلاحیت و قدرت تمام لوگوں سے بہتر رکھتا ہو اور ہر طرح کی علمی و فکری صلاحیت کا مالک ہو اور جو بہترین تجربہ کار ہو اس کو اپنی امت کی رہبری کے لئے نصب اور منتخب کرے اور لوگوں کو اس کی شناخت کرائے.

ایک دلچسپ نکتہ

ایک نکتہ جس پر توجہ کرنا چاہیے یہ ہے کہ قرآن نے مسئلہ امامت کو کلمہ (عہدی) سے تعبیر کیا ہے، جس وقت جناب ابراہیمؑ نے مقام امامت کو اپنی اولاد کے لئے مانگا تو خدا نے جواب دیا کہ میرا عہد (کہ جو وہی مقام امامت ہے) ظالموں تک نہیں پہنچے گا " لاینال عھدی الظالمین " (بقرہ / آیت ۱۲۴)

اب جب کہ امامت خدا کا عہدو پیمان ہے تو ہم کو شوری کے ذریعہ حل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ شوری تو لوگوں کے کاموں سے مربوط ہے نہ کہ عہد خدا ہے . لہذا ان دو آیتوں میں جہاں مسئلہ شوریٰ کو بیان کیا گیا ہے (امر) کی لفظ آئی ہے "و امرھم شوریٰ" لوگوں کے امور مشورہ اور ایمان کے ذریعہ انجام پاتے ہیں . یا رسولؐ کو حکم دیا جاتا ہے کہ "وشاورھم فی الامر" لوگوں کے بارے میں خود انہیں سے مشورہ کرو . توجہ کی آپ نے کہ مشورہ کا مورد دونوں آیتوں میں لوگوں کے کام اور اجتماعی مسائل سے مربوط ہے لیکن ہرگز مسئلہ امامت کہ جو خدا سے عہد و پیمان ہے ،کو شامل نہیں ہے امید ہے کہ اس پر غور کریں گے .

ایک اور تلخ تجربہ

جناب موسیٰؑ نے بنی اسرئیل سے ستر ہزار افراد کا انتخاب کیا اور ان کو اپنے ساتھ وعدہ گاہ تک لے گئے لیکن ان کی ایک احمقانہ مانگ کے سبب تمام کے تمام غضب خدا کے مستحق قرار پائے اور موسیٰؑ جیسے اولوا لعزم نبی کا انتخاب بھی غلط ثابت ہوا (اعراف / آیت ۱۵۵) ان جیسے تجربوں کے باوجود جیسا اطمینان ہم کو رکھنا چاہیے وہ ہمارے پاس نہیں ہے لہذا بہتر ہے کہ ہم انتخاب کی ذمہ داری ایک ایسی ذات پر ڈال دیں جو حقائق ،اسرار اور آیندہ کے بارے میں زیادہ آگاہ ہے .

انتخابات کے طبیعی نقائص

انتخابات اور رفرنڈم باوجود کہ بہت سی جگہوں پر ایک بہترین راہ حل ہے

لیکن کچھ برے نقائص بھی طبیعی طور پر ہیں کہ ان سے ہمیں چشم پوشی نہیں کرنا چاہیے اور وہ نقائص یہ ہیں :

۱ ۔ ہر انسان کسی نہ کسی شخص کا انتخاب ضرور کرتا ہے لیکن انتخاب کرنے اور منتخب ہونے والوں کے درمیاں رقابتیں اور رنجشیں پائی جاتی ہیں کہ جو خود ایک طرح سے تضاد ، ہرج و مرج اور کدورت آور ہیں ۔

۲ ۔ انتخابات میں جیت کر آنے والا ہر شخص بطور طبیعی اپنے رائے دہندگان کی حمایت کرتا ہے اور تنہاوہی لوگ اس کے نزدیک اہمیت رکھتے ہیں ۔

بناء براین حمایت ، موقع شناسی اور وفاؤوں میں حقانیت کے علاوہ رائے دہندگان کی مانگ اور تمائل کے موضوع کو بھی ملاحظہ کرنا ہوگا ۔ جو ایک طرح کا شرک ہے کہ انسان خدا اور اس کی راہ کے علاوہ دوسروں کو راضی کرنے کی فکر میں رہے ۔

۳ ۔ جو شک ، خطا ، سہو اور فطری تقاضے ہم کو شب و روز مخالف سمتوں کی طرف ڈھکیل دیتے ہیں ممکن ہے تعیین رہبر کے سلسلہ میں بھی وہی اشتباہات عواطف اور جنسی غرائز انسان کی مسیر کو حق سے منحرف کر ڈالے ۔

۴ ۔ خود منتخب ہونے والے افراد کے لئے بھی نہیں کہا جاسکتا کہ کل کہاں اور کس تلخ یا شیرین حادثہ میں اپنی جہت بدل ڈالیں ؟ !

لوگوں کے انتخابات اہمیت رکھتے ہیں لیکن ان نقائص کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے ۔

راہ حق

شیوہ تعیین امام کی راہ حق وہی راہ ہے جس کو قرآن بیان کرتا ہے کیونکہ ہم امامت کو نبوت جیسی اور امام کو رسولؐ جیسا مانتے ہیں حتی ہمارے نزدیک ضرورت امام اور ضرورت رسولؐ کی دلیلیں بھی ایک ہیں اور امام کا کام رسولؐ کے کام مثلاً ہدایت و رشداور انسانی معاشرہ کو سعادت واقعی کی راہوں پرگامزن کرنے سے مشابہ ہے لہذا جس آیت کو ہم نے " یعنو دلیل " نبوت کی بحث میں ذکر کیا ہے اسی کو یہاں بھی مورد استفادہ قرار دیتے ہیں .جو یہ ہے "ان علینا للھدی"
(اللیل / آیت ۱۲)

(بیشک ہدایت کی ذمہ داریاں ہمارے اوپر ہیں) جیسا کہ رسولؐ کو منتخب کرنا خدا کا کام ہےاوربہت سی آیتیں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں [1]. تعیین امام بھی کہ جو لوگوں کی ہدایت اور خدا سے عہد و پیمان ہے خدا کی طرف سے ہونا چاہیے .

ابو علی سینا کا بیان

ابو علی سینا یہاں فرماتے ہیں کہ امام کو معصوم اور صفات عالی سے متصف ہونا چاہیئے چونکہ انسان کے لئے ان صفات اور روحیات کا مالک ہونا کوئی معنی نہیں

۱۔ وہ آیات کہ جن میں اصطفاء ، بعثت ، جعل ، اختیار کی لفظ استعمال کی گئی ہیں اگر ان کے بارے میں تحقیق کی جائے تو ہمارا بیان بخوبی روشن ہو سکتا ہے .

رکھتا ہے کہ ایک معمولی انسان اس کو سمجھ سکے اور اگر کچھ سمجھ بھی لے گا تو ناقص سمجھے گا اور وہ بھی صرف علائم کے ذریعہ کسی ایک مسئلہ کو سمجھ سکتا ہے۔

لہذا چاہیئے کہ خدا امام کا تعین کرے کیونکہ اسی کی ذات ہے جو لوگوںکے اسرار سے واقف ہے، عالم الغیب ہے اور ہماری واقعی سعادت کی راہوں سے بھی آگاہ ہے۔

وہ جگہیں جہاں انتخاب نہیں ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: " وما کان لمومن ولا مومنة اذاقضی الله و رسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم .... " (احزاب / ۳۶)

جن موارد میں خدا اور رسولؐ نے باایمان مرد و عورت کے لئے کوئی حکم، قانون یا کسی شخص کو کسی مقام اور کام کے لئے چن لیا ہو تو لوگوں کو (چون، چرا اور)کرنے انتخاب کا حق نہیں ہے۔نیز سورہ قصص کی ۶۷ ویں آیت میں ارشاد ہوتاہے۔

"وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لهم الخیرة " (تمہارا خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے) تفسیر صافی میں بہت سی روایات بیان ہوئی ہیں کہ جب بھی خداوند عالم کسی شخص کو امامت کے منصب پر فائز کرے تو لوگوں کو کسی دوسرے کے پاس نہیں جانا چاہیے۔

دوسری حدیث میں ہے: جب انتخابات میں انحرافی کے امکان پائے جاتے ہوں تو انتخاب کی اہمیت کم ہو جاتی ہے لہذا وہی انتخاب صد در صد اہمیت کا حامل

ہوگا جو اس خدا کی طرف سے ہو جسے انسانوں کے باطن اور آیندہ کے حالات سے آگاہی ہے ۔[1]

انتخاب راہ حق

ہم بیان کر چکے ہیں کہ راہ حق وہی الہی راہ ہے کہ جس کا ذکر قرآن و احادیث میں ہوا ہے ،اس کا ایک نمونہ واقعۂ غدیر خم کے ہے :

سنہ ۱۰ھ رسول اکرمؐ کی عمر مبارک کا آخری سال تھا ، طے پایا کہ رسولؐ مدینہ سے مکہ (حج کی غرض سے) جائیں ۔ جیسے ہی لوگوں کو خبر ملی تو انھوں نے کوشش کی کہ اس سفر میں رسول خداؐ کی خدمت میں بھی رہیں اور مناسک حج بھی بجالائیں ۔ آخر کار ایک بہت بڑا قافلہ رسول اکرمؐ کی ہمراہی میں مکہ کی طرف چلا اور جب فریضۂ حج ادا کرکے واپس مدینہ آرہا تھا تو ایک چہار راہ پر پہنچا کہ جہاں سے مسلمانوں کو جدا ہونا تھا ، وہاں سے ایک راستہ شمال کی جانب مدینہ جاتا تھا اور ایک مشرق کی طرف عراق کے لئے تیسرا سر زمین مصر کے لئے مغرب کی جانب اور ، چوتھا جنوب میں یمن کی طرف جاتا تھا ۔

سنہ ۱۰ھ رسول خداؐ کی عمر شریف کا آخری سال ہے یہ سال آنحضرتؐ سے لوگوں کی جدائی کا ، لوگوں سے عہد و پیمان باندھنے کا وعظ و نصیحت اور آخری پیغام کے عنوان سے ، سندنامہ پڑھے جانے کے علاوہ آخری اور مہمترین بیانات

۱۔ تفسیر صافی میں اس آیت کے ذیل میں چنداحادیث کا مضمون ہم نے یہاں بیان کردیا ہے ۔

ارشاد کرنے کا سال ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمان جاری کیا کہ تمام لوگ یہاں (غدیر خم) پر جمع ہو جائیں۔ بروز پنجشنبہ عید قربان سے آٹھ روز بعد (۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو) تمام لوگ حکم رسولؐ کے مطابق ٹھر گئے جو لوگ آگے بڑھ گئے تھے ان کو واپس بلا کے کہا گیا کہ وہ انتظار کریں تا کہ پیچھے آنے والے قافلے بھی پہنچ جائیں۔ تیز اور چلچلاتی دھوپ تھی، ریت پاؤں کو جلد رہی تھی، ایک (یا سوا) لاکھ کا مجمع تھا، نماز ظہر رسول خداؐ کی اقتدا میں بڑھی گئی اور یہ اس چہار راہ پر مہمترین پیغام کے سنانے کی کاروائی شروع ہوئی، اونٹ کے کجاووں کا منبر بنایا گیا، رسول خداؐ اس پر تشریف فرماہوئے اور فرمایا: کیا سب لوگ میری آواز سن رہے ہیں، سب نے بیک آواز کہا ہاں۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے حمد خدا، توحید و رسالت اور معاد وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لوگوں سے اپنی فعالیت و تبلیغ کے بارے میں پوچھا سب نے تعریف کی۔ اس کے بعد فرمایا: میرا وقت آن پہنچا ہے قریب ہے کہ میں بلا لیا جاؤں اور دعوت حق پر میں لبیک کہہ دوں، میں بھی مسئول ہوں اور تم لوگ بھی مسئول ہو اور پھر لوگوں سے توحید، رسالت اور قیامت کے بارے میں اقرار لیا۔

اس کے بعد فرمایا: میں تمہارے درمیان دو گرانبہا چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک قرآن ہے اور دوسرے میرے اہلبیتؑ ہیں کہ یہ دونوں کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے لہذا ہمیشہ خیال رکھو کہ کبھی ان سے آگے بڑھنا اور نہ

ہی پیچھے رہ جانا (اسی میں تمہاری کامیابی کا راز مضمر ہے)

اس کے بعد رسولؐ نے مجمع پر سرسری نظر ڈالی اور علیؑ کو تلاش کیا، قریب آئے اور ان کو لیکر منبر پر پہنچے، علیؑ کے ہاتھوں کو اس طرح بلند کیا کہ تمام لوگوں نے پہچان لیا اور بلند آواز میں فرمایا لوگوں میں کون شخص ایسا ہے کہ جو خود مسلمانوں کی نسبت زیادہ سزاوار ہو، سب نے کہا خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتا ہے .

تو اس وقت آپؐ نے فرمایا . (جس کا میں مولا و حاکم ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا و حاکم اور رہبر ہیں) اور یہ جملہ کو بار بار فرمایا . اس کے بعد آپؐ نے دعا کی ان لوگوں کے حق میں جو علیؑ کو دوست رکھیں اور لعنت و ملامت بھیجی ان لوگوں پر جو حضرتؐ سے دشمنی مول لیں .

اگرچہ میں نے سوچا تھا کہ ماجرائے غدیر خم کو روشن ہونے کی وجہ سے نہ لکھوں گا لیکن میں نے سوچا ہے کہ کم از کم ایک اشارہ ہی اس کی طرف ہوجائے . کیونکہ واقعہ غدیر کی تفسیر کرنا ایسے ہی ہے کہ جیسے نوراور سورج کی تفسیر کرنا . کیونکہ داستان غدیر ایک ایسی داستان ہے جسے شیعہ و سنی دونوں کے ہزاروں بزرگوں نے نقل کیا ہے . اور دسیوں کتابیں اس سلسلہ میں لکھی گئی ہیں .

بہترین شخص کا انتخاب

حضرت علیؑ کا انتخاب ایک غیر حکیمانہ نہیں تھا بلکہ ان کا زہدو تقوی، ادب و اخلاق، عزان، واخلاص اور ان کی عبادتیں تمام لوگوں پر عیاں اور روشن تھیں . یہاں تک کہ کسی دشمن نے بھی حضرت علیؑ کی کسی کمی کو، بیان نہیں کیا ہے .

تنہا یہ علیؑ ہی کی ذات ہے کہ جس نے کسی بت کی طرف رخ نہیں کیا ہے وہ بچپنے سے ہی خدا پرست تھے .

ایک ایسے شخص تھے کہ شب ہجرت جب دشمنوں نے رسول خداؐ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تو آنحضرتؐ کی جگہ سوگئے اور رسولؐ صحیح و سلامت گھر سے نکل کر (مدینہ کی طرف) ہجرت کرگئے .

حضرت علیؑ وہ تنہا شخص تھے جنھوں نے بت پرستوں کو مراسم حج میں شرکت سے روکا اور آیئی سورہ برات لیکر بکمال شھامت مکہ پہنچے اور بت پرستوں کے روبرو کھڑے ہوکر پڑھنا شروع کیا کہ آج کے بعد تم لوگوں کو مکہ میں داخل ہونے کا حق نہیں ہے .

خود حضرت رسول اکرمؐ کی طرف سے ہزاروں کمالات اور سفارشات و نصیحتیں مختلف طریقوں سے حضرت علیؑ کے بارے میں نقل ہوئی ہیں اور امام کے فضائل سنی اور شیعہ دونوں کی بہت سی کتابوں میں موجود ہیں انشاء اللہ اس کا کوئی ایک گوشہ ہم آیندہ بیاں کریں گے لہذا یہاں گفتگو تمام کرتے ہیں .

ایک سوال

ان ساری باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امت کے امام کا تعیین خدا کی طرف سے ہونا چاہیے اور لوگوں کے انتخابات تلخ تجربوں اور لوگوں کے آیندہ حالات و اسرار سے عدم آگاہی کے سبب کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں .

تو یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

نہج البلاغہ میں کیوں فرماتے ہیں : قتل عثمان کے بعد لوگوں نے میرا انتخاب کیا جب کہ لوگوں کی رائے مخالف سمت کھینچتی ہے دوسرے نظام جمہوری اسلامی میں لوگوں کی رائے کیوں لی جاتی ہے ؟

جواب

یہاں حضرت علی علیہ السلام چاہتے ہیں کہ مخالفین کے نظریہ کے مطابق گفتگو کریں یعنی تم لوگ جو اتنا لوگوں کا دم بھرتے ہو وہی لوگ ہیں کہ جنھوں نے مجھے قبول کیا ہے اور نظام جمہوری اسلامی ایران میں لوگوں نےچونکہ راہ حق کو پہچان لیا ہے اور امام خمینیؒ کی رہبری کو طاغوت پر اور نظام جمہوری اسلامی کو شہنشاہی نظام پر ترجیح یا ہے . لہذا ہم نے بھی اپنے اس نیک انتخاب کو دنیا وی رخ دیا ہے تاکہ تہمتوں کے مستحق نہ ٹہرائے جائیں اور لوگ نہ کہہ سکیں کہ تمہارا انتخابی طریقہ کار بھی ایک ڈکٹیٹری طریقہ کار ہے .

ورنہ یہی امام خمینی (رہ) رہبر انقلاب اور بانی جمہوری اسلامی معزول رئیس جمہور سے کہ جو لوگوں کی ہوا داری پر افتخار کررہا تھا ، فرماتے ہیں اگر تم اپنے کاموں کو غیراسلامی روش پر جاری رکھو گے تو میں تمہاری مخالفت کروں گا اگرچہ تمام لوگ تمہارے ساتھ ہوں .

توجہ کریں : رفرانڈم کے طریقے بھی ایران میں اسی وقت قابل افتخار ہیں جب انتخابات کے علاوہ راہ حق پر ہوہ . ورنہ جیسا کہ تمام بلب جب تک بجلی سے اتصال پیدا نہ کریں روشنی نہیں پہنچا سکتے ہیں (بالکل اس طرح) جب تک تمام

لوگوں کی رائے و حی اور راہ خدا کے وسیلہ سے نورانی نہ ہو الٰی اہمیت ان کو حاصل نہ ہوگی اگرچہ غیراسلامی معاشروں کی نظر میں انسانی اہمیت رکھتی ہو . دوسرے ہم بھی اس سلسہ میں نہیں چاہتے ہیں کہ انتخابات کو بطور کلی نظر انداز کر دیں بلکہ ہمارا شعار یہ ہے کہ انتخابات تمام جگہوں پر راہ حق کو طے نہیں کرتے ہیں اور انتخابات صد در صد دلیل عقلی نہیں ہیں . لوگوں کے انتخابات کو خدا ئے بزرگ کے انتخاب کے مقابل کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوسکتی ہے . یہ ہے ہماری گفتگو کا ماحصل ورنہ بہت سی جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں انتخابات محترم اور ناگہانی سازش و قیام کے بل بونہ پر ہونے والے انتخابات ، جانشینی اور نظریۂ اقلیت کو تحمیل کرنے سے بہتر ہیں ، فقط خدائی انتخاب کے مقابل صحیح نہیں ہیں .

چند فضیلتیں

علیؑ اور اہلبیتؑ کے کچھ فضائل

حضرت علیؑ اور اہلبیت اطہارؑ کے بہت زیادہ فضائل ہیں، ہم شناخت امام کے لئے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔ حضرت علی علیہ السلامؑ نے جناب فاطمہ زہراؑ کے ساتھ ملکر اپنے دونوں عزیز بیٹوں کی شفایابی کے لئے منت مانی کہ تین روزے رکھیں گے۔

پہلے دن جب سورج غروب ہوا اور چاہا کہ افطار کریں کہ کسی فقیر، مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: میں بھوکا ہو، اہلبیت اطہارؑ نے اپنی اپنی روٹی اس کو دے دی اور پانی سے افطار کیا۔

دوسرے دن بھی ایسے ہی روزہ رکھا، نماز مغرب کے بعد جیسے ہی چاہتے تھے کہ افطار کریں ایک شخص در امام پر آیا اور کہا میں یتیم اور بھوکا ہوں، امام سمیت سبھی لوگوں نے اپنا افطار اس یتیم کو دے دیا کہ جو بڑی مشقت سے تیار ہوا تھا اور پانی سے آج بھی افطار کیا گیا۔

تیسرے روز بھی جیسے ہی افطار کا وقت ہوا کسی شخص نے سوال کیا ، میں ایک اسیر اور قیدی ہوں میری مدد کیجئے میں بھوکا ہوں لہذا تین دن کے بھوکے ہونے کے با وجودہ کھانے کی کتنی سخت ضرورت تھی مگر سب نے اپنا اپنا کھانا اس قیدی فقیر کو دے دیا ۔

دوسرے دن (یا اسی شب) جب پریدہ رنگ چہروں کے ساتھ خدمت رسولؐ میں پہنچے ہیں (یا خود رسولؐ خیر گیری کے لئے آئیں ہیں) تو رسولؐ نے بشارت اور خوشخبری سنائی کہ ایک پورا سورہ ان کی شان میں نازل ہوا ہے کہ انھوں نے اپنی اپنی روٹیاں با وجود اس کے کہ سخت بھوکے تھے خدا سے عشق کی خاطر مسکین، یتیم اور اسیر کو خود اپنے ہاتھوں سے دے دی ۔ اور اہم بات یہ ہے کہ ان کے دلوں میں کسی تشکر اور پاداش کا ارادہ تک نہیں تھا ، وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اعمال کی کوئی سند اپنے آیندہ کے لئے محفوظ کرلیں ۔ ان کا ہدف رضائے معبود کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ " ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً و یتیماو اسیراً انما نطعمکم لوجه الله لانرید منکم جزاء ولا شکوراً " وہ لوگ اس کی محبت میں محتاج ، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو بس تمہیں خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں ، تم سے کسی بدلہ کے خواستگار ہیں اور نہ ہی کسی شکر گذاری کے)

یہ داستان تمام شیعہ علماء نے نقل کیا ہے اور علامہ امینی (رہ) نے اپنی کتاب الغدیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ پر، اہلسنت کے ۲۴ بزرگ علماء سے یہ واقعہ نقل کیا ہے ۔

ایک اور داستان

حضرت علیؑ شیبہ اور عباس نام کے دو افراد کے قریب سے گذررہے تھے . آپ نے شیبہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں مسجد الحرام کا نگہبان اور تعمیر کرنے والا ہوں اور جناب عباس کہہ رہے تھے کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری میری ہے گویا وہ لوگ ایک دوسرے سے اپنا اپنا افتخار بیان کر رہے تھے .

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا : ویسے تو مجھے تم لوگوں سے بتاتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن اتنا یاد رکھو کہ مجھے کمسن ہونے کے با وجود ایک ایسا فخر حاصل ہےکہ جو تمہیں نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے شمشیر سے جہاد کیا ہے تا کہ تم لوگ خدا و رسولؐ پر ایمان لے آو . یہ بات ان لوگوں پر گران گزری . عباس ناراض ناراض خدمت رسولؐ میں پہنچے اور شکایت کی . آنحضرتؐ نے علیؑ کو آواز دی اور فرمایا : کیوں تم نے اپنے چچا (عباس) سے اس طرح کی گفتگو کی ہے ؟

حضرت علیؑ نے فرمایا : میری بات غلط نہیں تھی، اس وقت جبرئیلؑ یہ آیت لیکر نازل ہوئے کہ : " اجعلتم سقایه الحاج وعمارة المسجد الحرام کمن امن باالله و الیوم الا خی وجاہد فی سبیل الله " (توبہ /آیت ۱۹ /تفسیر نمونہ جلد ۷ صفحہ ۔ ۳۲۱)

کیاتم لوگوں نےحاجیوں کی سقائی اور مسجدالحرام(خانہ خدا) کوآبادرکھنے کواس شخص کےبرابرقراردیاہےجوخدااورروزآخرت پرایمان لایا اورخدا کی راہ میں جہاد کیا (خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں ہیں اور خدا ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا ہے) ہرگز نہیں بلکہ مقیاس فضیلت ایمان اور جہاد ہے .

وہ کام جو ملائکہ بھی نہ کر سکیں

جس وقت رسول خدا ؐنے(مدینہ کی طرف) ہجرت کا قصد کیا توحضرت علی ؑ کوامانتوں کے واپس کرنے اور قرض کی ادائیگی کی خاطر مکہ میں چھوڑ دیا اور فرمایا :

اے علی ؑ ! آج رات جب کہ دشمنوں نے ہمارے گھر کا محاصرہ کر لیا ہے اور میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تم میرے جگہ سوجاؤ . حضرت علی ؑ اس رات جو کہ خطرات سے پر تھی رسول خدا ؐ کی جگہ سوگئے .

خداوندعالم نے اپنے دوعزیز فرشتوں جبرئیل ومیکائیل سے فرمایا: میں نے تم میں سےایک کی عمرطولانی کردی ہے تم میں سے کون ہے دوسرے پر قربان کرے ؟

دونوں فرشتوں میں سے کوئی بھی تیار نہیں ہوا . خدانے ان پر وحی نازل کی کہ دیکھو علی ؑ کسی طرح اپنی جان رسول خدا ؐ پر نثار کررہے ہیں . . اس شب کا تاریخ میں نام "لیلۃ المبیت" ہے .[۱] اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ و اللہ روف بالعباد "[۲] (لوگوں میں سے کچھ (خداکے بندے) ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے .)

البتہ حضرت علی ؑ کی شناخت کے بارے میں چند سطریں لکھنا شاید آپ ؑ کے مقام کی توہین کا باعث ہو کیونکہ قرآن میں بہت سی آیات آپ کی شان میں نازل

۱۔ " الغدیر جلد ۲ صفحہ ۵۳ بحار جلد ۳۰ / صفحہ ۳۷ تفسیر نمونہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۲

۲۔ سورہ بقرہ / آیت ۲۰۷

ہوئی ہیں لیکن ہمارا ہدف اس کتاب سے نسل نو کو الفبائے اسلام سے آشنا کرنا ہے. اور یہ معصوم رہبروں کی شناخت کے لئے پہلا اقدام ہے .

امام کا گھر ملائکہ کی جگہ ہے

اب جب کہ میں یہ کلمات لکھ رہ ہوں ماہ رمضان کی ۲۱ تاریخ ہے لہذا برا نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں امامت سے متعلق جو بات ایک حدیث میں ، میں نے پائی ہے قلم بند کروں اور وہ یہ کہ :

شب قدر کسی ایک سال سے مربوط نہیں ہے بلکہ ہر سال آتی ہے .

اور اس رات آیات قرآن کے مطابق ملائکہ زمین پر نازل ہوئے ہیں .

رسولؐ کے زمانے میں یہ فرشتے خود رسول خداؐ پر نازل ہوتے تھے .

زمانہ رسولؐ کے بعد بھی شب قدروں میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں آخر کس شخص کے پاس ؟ (کبھی غور فرمایا .)

آیا ہر ایک انسان پر یا اس شخص پر جو تمام کمالات میں خدا اور رسولؐ کے نزدیک قریب ترین شخص ہو امام کے اس بیان سے جو اصول کافی میں ہے [1] کہ مقام امامت سے بھی اور جس زمانے میں آسمانی فرشتے نازل ہوتے ہیں اس میں زندہ معصوم امام کی ضرورت سے بھی معلوم ہوتاہےکہ یہ بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے .

۱۔ اصول جلد کافی۔ ۱/ صفحہ ۲۴۹ / فی باب شان انا انزلناہ فی لیلۃ القدر

کیوں علیؑ کا نام قرآن میں نہیں ہے ؟

پہلے تو یہ کہ دوسروں کا نام بھی قرآن میں نہیں ہے . دوسرے قرآن میں کچھ ایسے مواقع بھی آئے ہیں جو بعض لوگوں کے ذوق و سلیقہ کو چونکہ نہیں بھائے ہیں . لہذا ان کو بکمال شہامت انھوں نے مسیر حقیقی نے نکال دیا ہے حتی بعض جگہوں پر کہا کہ جو مسائل زمانۂ رسولؐ میں حلال تھے میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں !!!

کیا اس روحیہ اور حالت کے با وجود اگر حضرت علیؑ کا نام قرآن میں ہوتا تو قرآن کے لئے کوئی خطرہ پیش نہ آتا ؟ ! اور قرآن کو ردو ایراد اور اثبات و انکار کے مقام پر کھڑا نہیں کیا جاتا ؟

اس کے علاوہ مثل مشہور ہے کہ جیسا لوگ کہتے ہیں : " پیراڑانا گود میں لینے سے بہتر ہے " اگر ہم صفات اور ایسا امعیار لوگوں کو پیش کریں کہ وہ خود (دوسروں سے) مقائسہ کرتا پھریں کہ بہتر ہے اس سے کہ ہم انکے نام لیتا کہ ڈکٹیٹری کا پہلو نظر نہ آئے .

فضائل علیؑ کے گوشہ کی فہرست

بارہا رسول اکرمؐ نے علیؑ کو اپنا بھائی کہا ہے . (الغدیر جلد ۳ / صفحہ ۱۱۵ ۔ ۱۲۴) جنگ خندق میں حضرت علیؑ کی ایک ضربت تمام لوگوں کی عبادت پر بھاری بتائی گئی ہے . (تفسیر فخررازی جلد ۳۲ / صفحہ / ۳۱ ۔ ذیل آیت شب قدر) .

حضرت علیؑ پہلے شخص تھے کہ جو حضرت رسول خداؐ پر ایمان لائے۔ (اس مضمون کی تقریبا سو / ۱۰۰ ۔ حدیثیں الغدیر جلد ۳ میں بیان ہوئی ہیں)

اسلام میں پہلا سجدہ شکر وہ سجدہ ہے کہ جو حضرت علی علیہ السلام بجالائے اور وہ بھی اس لئے کہ رسولؐ کی اس جگہ سونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اور رسول اکرمؐ صحیح و سلامت ایک ایسے گھر سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے ہیں۔ جو دشمنوں کے محاصرہ میں تھا۔ متعدد روایات نے علیؑ کو انسانوں میں بہترین بشر کے کیا ہے۔ اور وہ ہرگز حق سے جدا ہونگے اور نہ ہی قرآن سے۔ اوروہ دنیا و آخرت کے سید وسردار ہیں۔ ان کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت اور ان کے ماننے والے بہترین خدا کی مخلوق ہیں۔ [1]

۱۔ یہ تمام پر فضائل کتاب فضائل الخمسة من الصحاح الستہ میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

امام و امت کے حقوق

امام و امت کے متقابل حقوق

بحار الا نوار کی ۲۷ ویں جلد میں بہت سی حدیثیں اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں . ہم ان سے چند حدیث کو جو ہو " لوگوں کے امام پر اور امام کے لوگوں پر حقوق " سے متعلق ہیں ، یہاں نقل کرتے ہیں حضرت علیؑ نے لوگوں سے فرمایا : ہم اور تم ایک دوسرے پر کچھ حقوق رکھتے ہیں میرے حقوق تم پر یہ ہیں کہ تم لوگ .

۱ ۔ اپنے عہد و پیمان پر باقی اور وفادار رہو . ـــــ الوفاء بالبیعة

۲ ۔ حضور و غیاب میں خیر خواہ رہو . ـــ والنصیحة فی المشهد والمغیب

۳ ۔ ہروقت جب کبھی بھی میں تمہیں طلب کروں چلے آو . ـــــ والا جابة حین ادعوکم و . . . (بحار جلد ۲۷ صفحہ ۱۵۱)

اور تم لوگوں کے حقوق مجھ پر یہ ہیں کہ :

۱ ۔ خیر خواہی اور دلسوزی . ۲ ۔ تامین ضروریات اوران کا حساب و کتاب .

۳ ۔ تعلیم و تربیت .

دوسری حدیث میں ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: " ولکم علی من الحق مثل الذی لی علیکم " جس قدر تم لوگوں کے حقوق مجھ پر بنتے ہیں اسی قدر میں بھی تم لوگوں پر حق رکھتا ہوں.[۱]

اس کے بعد امام اپنے اس جملہ کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ بزرگترین جو حق خدا نے لوگوں پر واجب کیا ہے وہ وہی متقابل حقوق، رہبر کے لوگوں پر اور لوگوں کے رہبر پر ہیں.

حضرت امام زین العابدینؑ اپنے رسالہ حقوق کے شروع میں حق امام کو واجب ترین حقوق بیان کرتے ہیں: " واوجبھا علیک حب ائمتک " حضرت علیؑ فرماتے ہیں. جیسے تم لوگ جباروں اور طاغوتیوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہو ویسے میرے ساتھ گفتگو نہ کیا کرو اور نہ ہی میرے ساتھ پھونک پھونک کے قدم رکھو اور نہ تکلف و رعایت سے میرے ساتھ پیش آؤ. اورکبھی خیال نہ کرنا کہ تمہارے تذکرات مجھ پر بار گزریں گے. جہاں بھی کوئی حق بات یامشورہ قابل ذکردیکھو مجھے آگاہ کردو (اس لئے کہ) اگر خدا حفاظت نہ کرے تو ہم بھی خطاؤں سے محفوظ نہ رہیں[۲]. اسلام نے امام کے شرائط و صفات میں زیادہ دقت سے کام لیا ہے لیکن جب امام کی تعیین اور شناخت ہوجائے تو اس وقت اطاعت امام کو مسلم واجبات میں شمار کیا ہے.[۳]

۱۔ بحار جلد ۲۷/ صفحہ ۲۵۱

۲۔ بحار جلد ۲۷/ ۲۵۳

۳۔ اصول کافی میں لزوم اطاعت امام کے بارے میں متعدد روایات نقل ہوئی ہیں.

حضرت امام جعفرصادقؑ نے بحث قضاوت میں لوگوں کو فقہاء کی طرف رجوع کرنے کیلئے تاکید کی ہے اور آخر حدیث میں فرماتے ہیں کہ جو شخص فتوی اور ان فقہاء کی قضاوت و فیصلہ کورد کردے اس نے گویا ہم کو رد کر دیا ہے اور جس نے ہم کو رد کر دیا اس نے خدا کے ساتھ شرک کیا ہے (اصول کافی / باب اختلاف الحدیث)۔

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص راتوں کو نمازیں پڑھے اور دن کو روزے رکھے، ہر سال مکہ حج کرنے جائے اور اپنا تمام مال راہ خدا میں خرچ کرے لیکن ولی خدا کو نہ پہچانے اور اپنے کاموں کو اس کی رہبری کے مطابق انجام نہ دے تو وہ شخص خدا پر اپنا کوئی حق نہیں رکھتا ہے (سفینۃ البحار مادہ (ولی)۔

امت کی ذمہ داریاں

ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ لوگ اپنے امام معصوم کے سلسلہ میں تین ذمہ داریاں رکھتے ہیں:

۱۔ اپنے امام کو پہچاننا ان روشن دلائل اور ممتاز صفات کے ذریعہ کہ جو ایک امام معصوم کو رکھنا چاہیئے۔

۲۔ ان بزرگواروں کے حکم پر سرتسلیم خم کرنا اس طرح کہ ان کی باتوں کو دل سے قبول کرے۔

۳۔ (ذاتی) اختلافات میں چاہیے کہ ان بزرگواروں کی طرف رجوع کریں اور ان کو اپنا حاکم و داور قرار دیں۔ (اصول کافی جلد ۲/باب التسلیم)۔

حج کا اہم ہدف

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے ایک نظر کعبہ کے اطراف طواف کرنے والوں پر ڈالی اور فرمایا: یہ کعبہ کے گرد چکر لگانا تو زمانہ جاہلیت میں بھی تھا اسلام آیا تو اس نے طواف و حج کو واجب قرار دیا۔ تا کہ اس کے وسیلہ سے حج کے دور ان ہمارے گرد جمع ہوں اور ولایت و مودت اور نصرت کا اعلان کریں۔ اس کے بعد امام نے اس آیت کی تلاوت فرمائی " فا جعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم ... "(۱)

(ترجمہ: خدایا! تو تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کرتا کہ وہ یہاں آکر آباد ہوں) اور انھیں طرح طرح کے پھلوں کے ذریعہ روزی عطا کرتا کہ وہ تیرے شکر گذار ہوں)

حضرت ابراهیمؑ نے خدا سے نہیں چاہا کہ لوگوں کے دلوں کو کعبہ کی طرف مائل کرے بلکہ لوگوں کو اپنی ذریت کہ جو ہی معصوم ذریت ہے کی طرف مائل ہونے کو چاہا ہے۔(۲)

جی ہاں! امام کی طرف توجہ کرنا فلسفہ حج میں سے ایک ہے۔

طرفین (امام و امت) کے تعہدوں پر وفاداری کچھ آثار رکھتی ہے کہ حضرت علیؑ ان کی اس طرح توصیف بیان کرتے ہیں:

۱۔ ابراهیم / آیت ۳۷

۲۔ اصول کافی / باب رجوع بہ امام بعد از انجام مناسک حج / صفحہ ۳۱۱

۱۔ مہرو محبتوں کا وجود میں آنا " نظاماً لا لفتهم "

۲۔ مکتب کا ہر طرح کے خطرات تحریف ، بدعت اور غلط چیزوں سے محفوظ رہنا " وعزاً لدنهم "

۳۔ باطل چیزوں کا ایک دوسرے کے بعد میدان سے خارج ہونا اور امام سے امت کی اسی محبت والفت کے ذریعہ پائگاہ حق کا محکم و مضبوط ہونا " وعزالحق "

۴۔ دین کی تمام راہوں کا روشن ہوجانا ۔ " وقامت منا هج الدين "

۵۔ عدالت کی بنیادوں کا مضبوط ہو جانا ۔ " اعتدلت معالم العدل "

۶۔ تمام امور اپنی مجاری (جگہوں) پر قرار پاتے ہیں ۔ " جرت عی اذلالها "

۷۔ اپنے متقابل حقوق پر امام و امت کی وفاداری حکومتوں کی بقاء اور دشمنوں کے مایوس ہونے کا رمز ہے ، کیونکہ امام و امت ہر ایک قانوں کے مطابق عمل کرتا ہے اور دشمنوں کو نفوذ کی کوئی راہ نہیں دیتا ہے ۔ "طمع فی بقاء الدولة و يست مطامع الا عداء " (بحار جلد ۲۷ صفحہ ۲۵۱)

یہ تمام اثرات امام و امت میں سے ہر ایک کی وفاداری کے نتائج کا ایک گوشہ ہیں جو وہ ایک دوسرے پر رکھتے ہیں۔

تنوری شیعہ

خراسان کے رہنے والے ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق ؑ سے قیام کی پیشنہاد کی کہ آپ تو ایک لاکھ کی تعداد میں مسلح (نوجوانوں) کی طاقت رکھتے ہیں ۔ امام نے خود اس کو آزمانے اور ان لوگوں کی وفاداری کا اندازہ لینے کے لئے اس

شخص سے فرمایا ؛ آؤ اور اس آگ سے بھرے ہوئے تنور میں کود جاؤ ۔ وہ شخص معذرت کرنے لگا اور کہنے لگا (مولا میں جل جاؤں گا)

اسی اثنا میں مولا کے ایک چاہنے والے نے اسلام کیا، مولا نے اس سے فرمایا ؛ جاؤاس تنور میں کودجاؤ .وہ شخص گیا اوربڑے اطمنیان سےاس تنور میں کود گیا .امام اس خراسانی شخص کیطرف متوجہ ہوئےاورفرمایا .ایسے اشخاص کتنےوہاں ہیں ؟ کہا اب توایک بھی نہ ہوگا .جی ہاں دعوی اور عمل یعنی کہنے اور کرنے) میں بڑا فرق ہے ۔ (بحار جلد ۱۱، صفحہ ۱۳۹ بنقل از پند تاریخ) البتہ وہ یارفداکارتنور میں نہیں جلا (جیسا کہ جناب ابراھیمؑ آگ میں نہیں جلےتھے)

ایک جھوٹا شیعہ

ایک حدیث میں ہمیں ملتاہےکہ ؛ جھوٹ بولتاہےوہ شخص کاجودعوی تو کرے کہ میں شیعہ حیدر کرارعلی ابن ابی طالبؑ ہوں لیکن اعمال میں دوسروں کی رسیمان پکڑتا ہے ." کذب من زعم انه من شیعتنا وهو مستمسک بعروة غیرنا "

امامت معصومینؑ کی کیسے تضعیف ہوئی

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منسوب ایک حدیث میں ہے کہ اگر بنی امیہ کو ایسے لوگ نہ ملے ہوتے جو ان کے بارے میں لکھتے ، غنائم کی جمع آوری اور ان کی طرف سے جنگ کرتے تو وہ کبھی بھی ہمارا حق نہ لے پاتے ، جی ہاں امامت کی تضعیف بے ارادہ محبت کرنے والوں کے تسلیم ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے (بحار

جلد ۴۷ صفحہ ۳۸۳) بہت زیادہ ہیں ایسے لوگ جو دل سے تو معصوم اماموں کے ساتھ ہیں لیکن بیگانوں سے کسی طمع یا ان سے خوف و ہراس کی وجہ سے ان کے ملازم بنے ہوئے ہیں.

ستم بالائے ستم

مظالم

مسئلہ امامت اور مکتب آئمہ طاہرینؑ اور ان بزرگواروں کے سچے چاہنے والوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے۔ میں نہیں جانتا ہو کہ کہاں سے شروع کروں اور کہاں تک اس کا بیان کرنا مفید ہوگا لیکن چونکہ ہم نے فہرست نویسی اور سادہ بیانی کا ارادہ رکھا ہے لہذا اس سلسلہ میں بھی مظالم کے ایک گوشہ کی فہرست بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔

اقتصادی ظلم

۱۔ چھین کرکہ جو اس زمانے میں بہت زیادہ در آمدر کھتا تھا حضرت علیؑ سے مالی قدرت و طاقت سلب کر لی۔

تہمتیں

۲۔ ہمارے مظلوم امام حضرت علیؑ پر طرح طرح کی تہمتیں اور الزامات

لگائے گئے . اور حد تو یہ ہے کہ جس وقت شام کے رہنے والوں نے سنا کہ حضرت علیؑ مسجد کوفہ میں شہید کردیئے گئے ہیں . تو انھوں نے کہا . علیؑ مسجد کیا کررہے تھے کیا وہ نماز بھی پڑھتے تھے ؟!!!

رقیب تراشی

۳ ۔ امام کے دشمنوں کو بزرگ اور حضرتؑ کے رقیبوں کو تقویت پہنچاتے گویا اس طرح تضعیف امام کے لئے اسباب پیدا کرتے تھے .

فکری اور فرہنگی ظلم

۴ ۔ " حسبنا کتاب اللہ " (قرآن بس ہمیں کافی ہے) کا شعار بلند کرکے حضرت رسول خداؐ کی احادیث کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کردیں اور امام معصومؑ کے لبوں پر مہر لگادی اور لوگوں کو علم کے اصلی منابع سے دور کر دیا .

بہی خواہوں کو محروم کرنا

۵ ۔ ذی القربیٰ اور اہلبیتؑ کا سہم اسلامی محصولات سے ہی حذف کردیا .

جھوٹ باندھنا

۶ ۔ ابوہریرہ جیسے افراد کے ذریعہ جعل حدیث کا کارخانہ کھولا گیا . جہاں سے بنی امیہ کی مدح اور بنی ہاشم کو کچلنے کے سلسلہ میں اس قدر جھوٹی حدیثیں اور دوسرے مسائل گھڑے گئے کہ لوگوں کے لئے حق و باطل میں شناخت کی راہیں

مشکل تر بنادیں .

تحریف و توجیہ

۷ ۔ معصوم امام کی رہبری سے متعلق جو روشن اور صریح اقوال تھے ، ان کی توجیہ، تحریف اور ان کو باطل قرار دے دیا گیا .

مسیر عوض کردی گئی

۸ ۔ معصوم رہبری کا مسئلہ کہ جو الٰہی عہدو پیمان تھا یزید جیسی حکومت کی تک پہونچا دیا گیا .

عالم کی جگہ جاہل

۹ ۔ تمام الٰہی معیار اور اہمیتوں کو لغو قرار دے دیا گیا اور ہر شخص اپنی طاقت کے ذریعہ معاشرہ کو جدھر چاہا لے گیا اور بجائے اس رہبری کے جو پکار رہی تھی (سلونی سلونی) پوچھ لو پوچھ لو جو چاہو پوچھ لو (قبل اس کے کہ تم مجھےاپنے درمیان سے کھو بیٹھو) ایک ایسی رہبری کے پیچھے دوڑ گئے کہ جو چیخ رہی تھی کہ (اقیلونی) مجھے چھوڑ دو مجھے کچھ معلوم نہیں ہے . اور درگاہ علم رسولؐ کے بجائے ایک ایسے شخص کی طرف بھا گے چلے گئے جو بارھا مختلف مسائل میں الجھا اور حضرت علیؑ سے مدد مانگتا رہا ، برابر کہتا تھا کہ اگر علیؑ میری فریاد کو نہ پہنچے اور گڑھوں سے مجھ جیسے پھنسے ہوئے شخص کو نہ نکالئے تو میں کبھی کا ہلاک ہو گیا ہوتا .

کینے اور بہانے

۱۰۔ اس بہانہ سے کہ علیؑ جوان ہیں، پر شوخ ہیں، مسلمانوں کو ان سے جنگ خیبر، بدر، احد اور حنین کی وجہ سے دیرینہ کینہ و حسد تھا کیونکہ حضرتؑ نے آج کے بہت سے مسلمانوں کے کافر آبار واجداد کو جنگوں میں حکم رسولؐ سے قتل کیا تھا، لوگوں کے یہی بہانے اور کینے و حسد باعث بنے کہ امام معصوم خانہ نشین ہو جائیں چنانچہ حضرتؑ کو کسی جگہ کہنا پڑا۔ "میں روز اول سے ہی مظلوم ہوں" "بحار جلد ۲۷/صفحہ ۲۰۹"

اور یہ کہ اصحاب رسولؐ میں سے کسی کے لئے بھی حضرت علیؑ کے برابر فضائل نہیں نقل ہوئے ہیں لیکن ان کو ایک طرف ڈال دیا گیا۔" علی ومنا ونوہ" سچ بتائیں: کیا پر شوخ ہونا مانع لیاقت ہے؟! کیا پیغمبرؐ نے سترہ سالہ جوان اسامہ کو کی نڈر نہیں بنایا؟ کیا سن اور کہولت رہبری کے لئے شرط ہے؟! کیا قرآن نے ہمشہ معیار علم، تقوی، جہاد، ہجرت، سابقہ اخلاص اور ایمان کو قرار نہیں دیا ہے؟ کیوں ہم نے الہی معیاروں اور ملاک کے مقابل دوسرے مسائل کو ایجاد کیا ہے؟

امام کی کنارہ کشی

۱۱۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ کہتے ہیں امام علمی و معنوی رہبری پر قانع تھے اور سیاسی و نظامی رہبری کو دوسروں کے سپرد کر دیا تھا؟!!!

میں نہیں جانتا ہوں کہ سراسر نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے نالے و فریاد کیا اس

لئے تھے کہ لوگ آئیں اور امام سے مسائل دریافت کریں ؟ کیا مسائل کا پوچھنا بیعت کا محتاج ہے ؟ دسیوں بار حضرتؑ نے اپنے سیاسی حق کی تضییع پر فریاد کی. اس وجہ سے نہیں کہ کیوں لوگ مجھ سے علمی سوالات نہیں کرتے ہیں علمی سوالات تو انھوں نے امام سے مجبوری کے تحت پوچھے ہیں اور پوچھتے آئے تھے.

کیا امام کو چھوڑنے میں صلاح تھا ؟

۱۲ ۔ دل میں آگ لگ جاتی ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمام لوگ اشتباہ کریں اور امام کو چھوڑدیں اور کسی دوسرے کی طرف چلے جائیں ؟ !

ہم اسی سے کہ لوگوں نے امام کو چھوڑ دیا ہے، سمجھتے ہیں کہ ضرور کوئی صلاح ایسی تھی ؟ اس بات کا جواب بھی یہ ہے کہ اولاً تو یہ کہ تمام لوگوں نے حضرت علیؑ کو نہیں چھوڑا تھا. دوسرے یہ کہ کیا اکثریت حقانیت کی دلیل ہے ؟ اگر قرآن کے روشن دلائل و معیار ہاتھ میں تھے تو ان کو چھوڑ کر لوگوں کے عمل پر نظر ڈالنا چاہیے ؟

گویا سورہ جمعہ کی آخری آیت سے انھوں نے غفلت برتی ہے کہ رسولؐ جمعہ کا خطبہ پڑھنے میں مشغول تھے کہ یکایک تاجروں کا ایک قافلہ آگیا اور اس نے طبل بجانا شروع کیا. تمام لوگ رسولؐ کو چھوڑ بھاگے اور اس تجارتی قافلہ کے گرد جمع ہوگئے ، اتنے لوگوں میں صرف چند لوگ رسولؐ کا خطبہ سنتے رہے. آیا رسولؐ کو چھوڑنے میں بھی کوئی صلاح تھی ؟ !

کتنے ظلم ہوئے

ہمارے معصوم امام پر ظلم کی انتہا ہوگئی تھی رحلت رسول اکرمؐ کے وقت کہ جب آنحضرتؐ نے قلم و کاغذ مانگا تو رسولؐ کی توہین کی گئی اور امام کا حق مارا گیا اور یہ مظلومیت اسی طرح حضرت علیؑ کی عمر کے آخری لمحات تک جاری رہی یہاں تک کہ آپ نے ضربت کھاتے وقت فرمایا " فزت ورب الکعبۃ "کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہوگیا .

مجھے کہنے دیں کہ آج تک حضرت علیؑ کا مقام ، پہچانا نہیں گیا ہے حضرتؑ آج بھی مظلوم ہیں . ان کی کتاب نہج البلاغہ ابھی تک پہچانی نہیں گئی ہے .

بنابرا این حضرتؑ قید حیات تک ہی مظلوم نہ تھے بلکہ آج بھی مظلوم ہیں .

جو ظلم ہمارے اماموں پر ہوتے تھے ان کے اسباب کبھی خارج سے تھے اور کبھی نالائق ازواج کی طرف سے تھے، جو ظلم ہمارے اماموں پر ہوتے تھے وہ قابل فریاد بھی نہ تھے کیونکہ اسلامی حکومت کی جڑیں حضرت علیؑ کی فریاد پر اکھڑ جاتیں لہذا صبر کرتے رہے ،اس شخص کی مانند جس کی آنکھ میں کانٹا اور گلے میں ہڈی پھنسی ہو . جو مظالم ہمارے آئمہ معصومینؑ پرڈھائے گئے وہ تنہا قلب ، زبان ، عمل اور قلم سے مربوط نہ تھے بلکہ طرح کے ظلم ڈھائے گئے کہ ان کی وضاحت طویل ہے جو ظلم ہمارے اماموں پر ہوئے وہ مذہب کے نام پر بھی تھے اور تقرب من اللہ کے نام پر بھی، حتی منبروں سے خطبوں میں . نمازوں میں ، تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے تک برا بھلا کہا گیا ! ! جو ظلم اماموں پر ہوئے ان میں ایسے ایسے

حربے استعمال کیۓ گئۓ کہ جو خود ہمارے اماموں سے سکھلے گئۓ تھے ، ہمارے اماموں سے ہی علم ، مقام اور طاقت حاصل کی گئی اور خود انہی بزرگواروں پر استعمال بھی کی گئی .

ہمارے اماموں پر ظلم احمق دوستوں کی طرف سے بھی تھا اور دانا دشمنوں کی طرف سے بھی ، بزدل دوست بزدل ، ڈرپوک ، جاہل ، بے طرف اور اللہ میاں کی گائے قسم کے تھے لیکن دشمن منافقین زرنگ ، چالاک مکار اور . . . .

ثقافتی مظالم

میں نہیں جانتا کہ اہلبیت کی بعض مشہور و معروف شخصیتوں نے کہ جو حضرت امام موسی کاظمؑ کی معاصر تھیں کیوں ایک حدیث بھی حضرتؑ سے نقل نہیں کی کیا انھیں کم از کم امام کو ایک معمولی راوی کی طرح حساب نہیں کرنا چاہیے تھا ؟ میں نہیں .بخاری اپنی اہم ترین کتاب صحیح بخاری میں بعض خوارج سے تو حدیثیں نقل کرتے ہیں اور سو افراد وہ ہیں جو مجہول الحال ہیں ان کی سند کو شرعی اور ان کے کلام کو قابل اعتبار بتاتے ہیں لیکن حضرت امام جعفر صادقؑ اور دوسرے آئمہ معصومینؑ سے ایک حدیث نقل نہیں کرتے ہیں ؟!!

ہم سب قبول نہیں کرتے ہیں کہ رسولؐ نے اپنے اہلبیتؑ کو قرآن کے ساتھ قرار دیا ہے ؟

! اس طرح کے گلے اور شکوے تو بہت ہیں لیکن ہمارا آج کا مسئلہ ان شکووں اور شکایات سے صرف نظر اور اپنے مشترک و اصلی دشمن کے مقابل اتحاد

اور وحدت اسلامی کا پرچم بلند کرنا ہے .

علمی شکوے اور شکایات تو خود اہلسنت کے درمیان بھی ہیں اور شیعہ دانشوروں کے درمیان بھی اور خود سنی و شیعہ (عوام) کے درمیان بھی لیکن یہ علمی شکوے ہرگز جدائی ، اور تفرقوں کا باعث نہ ہونگے کیونکہ تفرقہ کی آگ تمام کو جلا کے رکھ دیتی ہے .

شیعوں پر مظالم اور تہمتیں

میں نہیں جانتا کہ کیوں لوگوں نے طرح طرح کی تہمتیں لگانے میں اجتناب نہیں کیا ہے ؟ جو تہمتیں ہم پر لگائی گئیں ہیں ان کے برخلاف ہم اپنے عقائد نہ تنہا ہزاروں کتابوں کے صفحات میں اور نہ ہی مساجد میں بیان کئے ہیں بلکہ ریڈیواور ٹیلی وشیرن پر بھی نشر کرتے ہیں کہ خود بندہ ہو ایک معمولی طالب علم کی حیثیت رکھتا ہے، نے بارھا ایران کے ٹیلی وشیرن اور ریڈیو پر (کہ جو پوری دنیا میں سنا جاتا ہے بیان کیا ہے اور اب بھی انہیں ہم قلم بند کرتے ہیں :

" ہرگز شیعہ قرآن کو تحریف شدہ نہیں جانتےہیں .

ہرگز شیعہ اپنے اماموں کو خدا تصور نہیں کرتےہیں .

ہرگز بہائی اور بابی قومیں شیعوں کا جزء نہیں ہیں .

ہرگز کوئی ایک شیعہ بھی اپنی کتب معتبر (اصول کافی ، تہذیب من لا یحضر الفقیہ اور استبصار) پرعمل کرنا واجب نہیں جانتا ہے بلکہ ان کتابوں کو وہ جمع بندی کے سلسلہ میں

بہتری کتابیں سمجھتاہے . اور نہ یہ کہ جو کچھ ان کتابوں میں ہے وہ ایک سرے سے ہی غیر قابل خدشہ ہے اوران پر عمل کو واجب جانتا ہے .

ہرگز کوئی ایک شیعہ بھی تمام اصحاب رسولؐ کو مرتد نہیں جانتا ہے بلکہ عقیدہ رکھتاہے کہ جس طرح زمانہ رسولؐ میں مومن واقعی بھی تھے اور منافق بھی اور رحلت رسول اللہؐ نے منافقین کومومن نہیں بنادیا ہے . بنابراین جو لوگ کہتے ہیں کہ رسول خداؐ کے تمام اصحاب مومن واقعیاور عادل ہیں وہ یہ بتائیں کہ جو لوگ حیات رسولؐ میں منافق تھے وہ رحلت رسولؐ کے بعد کہاں چلے گئے

کیا اکثر لوگ حق کو چھوڑ سکتے ہیں ؟

جو لوگ قرآن کی ثقافت سے آشنا ہیں جانتے ہیں کہ لوگوں نے کیسے دو بزرگ پیغمبروں جناب ہارونؑ اور ان کے بھائی جناب موسیٰؑ کو چھوڑ دیا اور ایک گوسالہ کے اطراف جمع ہوگئے . جی ہاں جب تک ہوس، جنسی اور فطری تقاضے اور شیطان و سوسے موجود ہیں ہر طرح کے خطرات ممکن ہیں .

اس قدر نمازوں اور جہاد کے باوجود کیسے منحرف ہو سکتے ہیں ؟

قرآن نے اسکا جواب دیا ہے کیو نکہ قرآن عبادت نہیں چاہتا ہے بلکہ عبودیت چاہتا ہے ابلیس نے ہزاروں سال عبادتیں کیں لیکن جیسے ہی عبودیت کے مرحلہ تک پہنچا بہک گیا ہم کو قرآن میں نابودی عمل کا مسئلہ ملتا ہے کہ کیسے عمل ضائع ہو جاتے ہیں)کیا بلعم باعورا نام کے ایک شخص پر خدا کا خاص لطف نہیں ہوا لیکن کیسے غضب کا مستحق قرار پایا .یقیناً سوی عاقبت کا مسئلہ انسان کیلئے ایک اہم ترین خطرہ ہے کہ جو سب کو تہدید کرتا ہے .لیکن دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کنویں میں پھینکے گئے .زندان گئے ، اور غلام بنائے گئے لیکن کسی بھی موقع خطرہ کا احساس نہیں کیا .اور جیسے ہی مقام و ریاست پر پہنچے ، دعا کی کہ خدایا ! مجھے مسلمان اٹھانا اور (حق سے) منحرف نہ کرنا (توفنی مسلماً) لہذا معلوم ہوا کہ نتیجہ کار اہم ہے . جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : میری نظر میں اساسی چیز اجر آخر ہے نہ کہ اجر اول .

شیعہ اور سنی نظرے

اگر آپ شیعہ اور اہلسنت کی کتابوں کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں تو آپ مشاہدہ کریں گے کہ تقریباً وہ تمام فضائل کہ جو شیعوں نے حضرت علیؑ کے بارے میں لکھے ہیں .سنی علماء نے بھی ان کو نقل کیا ہے اور اگر کسی جگہ شیعوں نے بعض اصحاب کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے تو وہ تنقید یں اہلسنت کی کتابوں میں بھی مشاہدہ

کی جاسکتی ہیں .

کہ بعض لوگ شیعوں کو دور سے دیکھتے ہیں اور فیصلہ کر لیتے ہیں . یہ لوگ اگر ایران کے سفر پر آئیں اور دیکھیں کہ بہت سے شہروں میں دونوں شیعہ اور سنی بھائی کیسے مل کر کام ، ہمکاری ، شادیاں ، معاملات ، مسافرت کارخانے اور ادارے چلا رہے ہیں حتی ایک دوسرے کی نماز جماعت میں شرکت کرتے ہیں . اور کبھی بھی لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا ہے . تو ان کو معلوم ہوگا کہ اگر دوسرے ممالک میں بعض نا تجربہ کار یا بدخواہ متعصب علماء نے ایک طرف سے شیعوں پر جو تہمتیں لگائی ہیں وہ تنہا فساد پر برپا کرنے کے لئے تھیں ورنہ شیعوں کا یہ فرقہ سیاسی ہے اور نہ ہی بعض دینی مطالب کا منکر اور نہ ایرانیوں کا بنایا ہوا ہے اور نہ ہی صفویہ کا اور نہ .... بلکہ شیعہ وہی مسلمان ہیں جو خود زمانہ رسولؐ میں حضرت علیؑ کے چاہنے والے تھے اور خود رسول خداؐ نے یہ لقب حضرت علیؑ کے پیروکاروں کو عطا کیا تھا [1] اور قرآن و اسلام کے پیرو ہیں اور ان کا ہدف خدا کی رضا ہے .

۱۔ الغدیر جلد ۲ / صفحہ ۵۷

صحیح اور غلط رہبری

قرآن میں مسئلہ رہبری پر زیادہ توجہ و مدیٰ گئی ہے مثبت پہلو سے بھی اور منفی پہلو سے بھی۔ مثبت پہلو میں رسولؐ اور اولی الامر کی پیروی کو واجب اور خدا کی پیروی و اطاعت کے ساتھ ساتھ اولی الامر کی پیروی کا تزکرہ کیا گیا ہے۔

نیز خدا و رسولؐ اور اولی الامر کی پیروی کےعلاوہ جامع الشرائط فقہاء کی پیروی پر بھی تاکید کی گئی ہےاوراگر کوئی شخص ان کا فتوی و حکم کو ٹال دے تو گویا اس نے رسول خداؐ اور امام کے حکم کو رد کردیا ہے جو خدا سے شرک کے مترادف ہے [۱]

برا نہیں ہے کہ ہم یہاں ان لوگوں کو فہرست وار ذکر کریں جن کو امام اور رہبر نہیں ہونا چاہیے اور عوام کو بھی ان کی اطاعت و پیروی نہیں کرنی چاہیے اگر کوئی عاقل انسان زہر آلود فضا اور کسی دباؤ میں نہ ہو تو وہ اسی خدا داد فطرت کے ذریعہ سمجھ جائے گا کہ یہ لوگ رہبری کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن جہاں قرآن ایک تنبیہ کرنے والی کتاب ہے اس کو چاہیے کہ خطرات سے بھی ہوشیار کرے لہذا ہم اپنے اعتبار سے کچھ آیتیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ غافل، ہوس پرستوں اور افراط کرنے والے اشخاص کی رہبری قبول کرنے کو منع کیا گیا ہے۔" ولا تطع من اغفلنا قلبہٗ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا" [۲]

۱۔ وسائل جلد ۱۸/ صفحہ ۹۹

۲۔ سورہ کہف / آیت ۲۸

(جن لوگوں کے دلوں کو ہم نے (گویا خود) اپنے ذکر سے (ان کے فاسد عمل کی بناء پر) غافل کر دیا ہے اور جو (حق کے بجائے) اپنی خواہش نفسانی کے پیچھے ہیں اور (رجوراہ اعتدال و حق سے تجاوز کرتے ہیں بلکہ) جن کا کام ہی سراسر زیادتی ہے (اس طرح کے افراد سے دور رہیں اور ہرگز) ان کی پیروی نہ کریں .

۲ ۔ جو لوگ اپنے غرور اور تکبر کی بناء پر حق پر عمل نہیں کرتے ہیں اور حقائق کی تکذیب کرتے ہیں ان کی بھی اطاعت نہ کریں . " ولا تطع المکذبین " [۱]

۳ ۔ جو لوگ بہت قسمیں کھاتے ہیں اور ذلیل ، چغلخور ، مال کے بہت بخیل ، گہنگار اور تندمزاج ہونے کے علاوہ بدذات بھی ہیں اور معاشرہ میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی پیروی ہرگز نہ کریں " ولاتطع کل حلاف مهین" [۲] .

۴ ۔ گناہگاروں اورکافروں کی بھی اطاعت سے منع کیا گیا ہے . " لا تطع منهم آثما او کفورا " [۳]

۵ ۔ اسراف اور زیادہ خرچ کرنے والوں سے بھی دوری اختیار کرنی چاہیے ، " ولاتطیعوا امرالمسرفین " [۴]

۱۔ سورہ قلم / آیت /۸

۲۔ قلم / آیت ۱۰

۳۔ انسان / آیت ۲۴

۴۔ شعراء / آیت ۱۵۱

۶ ۔فساد برپاکرنےوالوں کی بھی پیروی نہ کریں ." لاتتبع سبیل المفسدین" (اعراف / آیت ۱۴۲)

۷ ۔جاہلوں کی ہواوہوس کے پیرو کی پیروی نہ کریں. " لاتتبع اھواء الذین لایعلمون " (جاثیہ / آیت ۱۸)

۸ ۔ جن لوگوں کا ماضی گمرا ہی میں گذرا ہے اور آج بھی اپنی ہواوہوس ، فطری تقاضوں اور غرائز میں ملوث ہیں ان کی بھی اتباع نہ کریں [۱]

مذکورہ آیات پر پھر ایک بار غور کریں کہ ،اسراف ، فساد ، جہل برا ماضی ،کفر ، معصیت ،گناہ ، ذلالت و رسوائی اور زیادہ قسموں کا کھانا لوگوں کو رہبری کی صلاحیت سےکیسے دور کر دیتا ہے اور بخوبی سمجھ میں آتا ہےکہ امام اور رہبر کو مذکورہ تمام عیوب و غیرہ سے پاک ہونا چاہیے اور دوسری آیتوں میں یہود و نصاری کی مسلمانوں پر ولایت اور دشمنان خدا کا نفوذ اور سر پرستی کرنا اور ا سی طرح ان نمایاں مسلمانوں کی ولایت سے منع کیا گیا ہے کہ جو (اسلامی ثقافت و) مکتب کو بہانہ اور اپنی دستاویز قرار دیتے ہیں . [۲]

اولی الامر کون ہیں ؟

قرآن میں ارشادہے:" اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" سورہ نساء / آیت ۵۹ (خدا و رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو.)

۱۔ "لا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوامن قبل..." مائدہ / آیت ۷۷)

۲۔ ہ مائدہ / آیت ۴۲ و سورہ ممتحنہ / آیت / ۱

آیا یہ صاحبان امر کہ جو خدا و رسولؐ کے ساتھ ساتھ ذکر ہوئے ہیں ان کا کام خداو رسولؐ کی روش پر نہیں ہونا چاہیے ؟

آیا صحیح ہے کہ ایک ہی جملے میں تاکید کرے کہ خدا و رسولؐ کا پیروکار رہو اور ہرگز اس کے خلاف عمل نہیں کرو لیکن فوری طور پر تاکید کرے کہ ایسے صاحبان امر کی پیروی کرو جو ہر روز ہزاروں خلاف کرتا ہو آیا یہ تناقض ایک ہی جلمہ میں صحیح ہے ؟!

اولی الامر وہی معصوم امام ہونے چاہئے کہ ان بزرگواروں کی اطاعت بھی وہی خدا ورسولؐ کی اطاعت اور کسی طرح کا فکری و علمی انحراف ان کے یہاں نہیں پایا جاتا ہو اور عصمت کی منزل پر پہونچ ہوں .

اگر اولی الامر سے مراد کوئی غیر معصوم ہو تو حق یہ تھا کہ اس طرح کی پیروی کا حکم مطلق اور عموی نہیں ہونا چاہیے بلکہ والدین کی پیروی کے مانند مشروط ہونا چاہئے ، یعنی یہ کہ لوگوں کو تاکید کی گئی ہوئی کہ اپنے والدین کی اطاعت اور ان کی نسبت احسان کریں لیکن ہر جگہ اطاعت واجب نہیں ہے کیونکہ اگر والدین چاہیں کہ اپنےفرزند کو توحید کے دائرہ سے خارج کردیں تو اس صورت میں ان کی اطاعت واجب نہیں ہے : " وان جاهداک لتشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعهما " (۱)

۱۔ عنکبوت /آیت ۸ ولقمان / آیت ۱۵

(اگر تجھے تیرے ماں باپ اس بات پر مجبور کریں کہ ایسی چیز کو میرا شریک بنا کہ جس کا تجھے کوئی علم بھی نہیں تو ان کی اطاعت نہ کرنا) توجہ کریں کہ والدین کی اطاعت ہر جگہ نہیں ہے بلکہ ان صورتوں میں اطاعت ہے کہ جب تک وہ اپنے فرزند کو انحراف کی طرف نہ کھینچیں لیکن اولی الامر کی اطاعت کس قیدو شرط کے بغیر مطلق ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اولی الامر قرآن کی نظر میں ہر طرح کی قیدو شرط سے بے نیاز ہیں . وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان بزرگواروں کا منحرف ہونا یا کرنا عملاً محال ہے .

بنابراین قرآن میں اولی الامر سے مراد وہی معصوم پیشوا ہیں اور تین سو (۳۰۰) حدیثوں کے مطابق کہ جنھیں شیعہ و سنی دونوں فریقوں نے نقل کیا ہے بارہ (۱۲) افراد ہیں .[1]

۱۔ حضرت (آیت اللہ) لطف اللہ صافی اپنی کتاب " جلاء البصر " میں فرماتے ہیں کہ شیعہ و سنی دونوں نے تین (۳۰۰) سو حدیثیں نقل کی ہیں کہ رسول ؐ کے بعد اماموں کی تعداد بارہ ہے .

ولایت فقیہ ، راہ امامت کا ایک سلسلہ

ولایت فقیہ

سیکڑوں مسلم حدیثوں کے مطابق کہ جو رسول ؐ کے بزرگترین اصحاب سے نقل ہوئی ہیں معصوم اماموں کی تعداد بارہ ہے کہ ان بزرگواروں میں سے گیارہ کو یا زہر دیا گیا یا کو شہید کر دیا گیا ہے اور یہ سب انھیں اپنے زمانے کے طاغوتوں کے خلاف جدوجہد کرنے کی وجہ سے ہوا .

ہمارے حضرت مہدی علیہ السلام غائب ہیں اور بہت سی معتبر حدیثوں کے مطابق ایک عدالت جہانی کی حکومت تشکیل دینے کے لئے ظہور کریں گے .

چونکہ لوگ آپ ؑ کی رہبری قبول کرنے کی امادگی نہیں رکھتے ہیں اس وجہ سے خدانے آپ ؑ کو ایک مناسب وقت کے لئے محفوظ کیا ہے چونکہ حکومتوں نے گیارہ چراغ گل کردیئے ہیں ، لہذا خدا نے ایسا انتظام کیا ہے کہ بارہویں چراغ کو نہ گل کر سکیں . اور وہ اپنے چراغ کو اس وقت تک چھپاکے رکھے گا جب تک معاشرہ ایک ایسے تمدن و رشد کو نہ پہونچ جائے . کہ وہ نور کو درک کرسکے اور اس سے

بہرہ مند ہو سکے .

خدا نے گیارہ معصوم اماموں کو بھیجا لیکن لوگوں نے ان بزرگواروں کو شکنجوں ، زندانوں اورتلواروں کے ذریعہ قتل کرڈالا ،لہذا بارھویں امام کوایک مناسب وقت کیلئے خدا نے محفوظ کرلیا .دوسری طرف زمانہ غیبت میں ہم کو اپنے حال پر نہیں چھوڑا بلکہ ہم کو باتقوی اور عادل فقہاء اسلام کے سپرد کیا اور اس سلسلہ میں بہت تاکید کی .

بنابراین ہم تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے اسلامی نظام کی حفاظت کریں اور حوادث میں فقیہ عادل کی زبانی خدا کے حکم کی تعمیل کریں .

ولایت فقیہ کا کردار ، امامت کا کردار ہے

ولایت فقیہ کا کردار وہی اما مت کا کردار ہے اور راہ انبیاءؑ ہے . اسلام میں کچھ قوانین ، مالیات ، اقتصاد ، نظام ، جزاء ، اور قضاوت کے مسائل سے متعلق ہیں کہ جسے اسلام نہ تو انہیں روکنا چاہتا ہے . اور نہ ہی ان کا اختیار کسی جاہل اور خود غرض افراد کے ہاتھوں میں دینا چاہتا ہے اور نہ ہی کسی خاص طبقہ کو لوگوں پر مسلط ہونے کی اجازت دینا چاہتا ہے .بلکہ اس نے توان کے اجراء کا کام باتقوی اور اسلام شناس عادل فقہاء کے ہاتھوں میں دیا ہے تاکہ وہ تمام مسائل و حوادث میں خدا کے قانون کے مطابق حکم کریں اور لوگوں پر ان کی اطاعت ، خدا و رسولؐ اور امام معصومؑ کی اطاعت کی طرح واجب قراردیا ہے .

ولایت فقیہ اور اس کا کردار

سچ بتائیں ؛ مسلمانوں کو نظام کی ضرورت ہے یا نہیں ، کیا اسلامی ملک کی حفاظت ہونی چاہیے یا نہیں ، اس کی سرحدوں کی حفاظت ہونی چاہیے یا نہیں ؟

اسلامی ممالک میں قوانین اجراء ہونے چاہیے یا نہیں آیا مظلوموں کا حق ظالم افراد سے لینا چاہیئے یا نہیں ؟ آیا صدائے اسلام پوری دنیا میں پھیلائی جانی چاہیئے . یا نہیں اور کیا ہمارے انبیاء ؑ واماموں کی کوشش اور محنتیں تنہا خود انھیں بزرگواروں کے زمانے سے مخصوص تھیں یا ہر زمانے اور خطہ و ارض سے .

اگر جواب مثبت ہے اور اسلام معاشرہ ، قانون اور کوئی نظام رکھتا ہے اور حقوق اور سرحدوں کی حفاظت کرنا مقصود ہے تو اسلامی حکومت کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ ایک دقیق اور منظم تشکیلات کے بغیر خصوصاً ہمارے اس زمانے میں جب اسلام کے مخالفین ایک بہت بڑی اور دقیق تشکیلات کے مالک ہیں ، کبھی بھی ہم اپنی جان و مال ، عزت و آبرو ، قوانین و مکتب اور سرحدوں کی حفاظت اور دفاع نہیں کر سکتے ہیں اور اگر حکومت ضروری ہے تو حاکم کا ہونا بھی ضروری ہے اس لئے کہ حکومت حاکم کے بغیر محال ہے .

اب جب اسلام اپنے اجراء قوانین کے لئے حکومت کا بھی محتاج ہے اور حاکم کا بھی تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ حاکم کن شرائط کا مالک آیا حکم خدا کو اس کی تمام گہرائیوں کے ساتھ جانتا ہو یا نہیں ؟ عادل ہو یا نہیں کسی مسائل و حوادث کے بارے میں آشنائی اور بصیرت رکھتا ہو یا نہیں ؟

اگر بناء یہ ہے کہ حاکم کو ایک اسلام شناس ، با تقویٰ اور سیاست دان ہونا چاہیے تو یہ وہی ہے کہ جن کا نام ہم نے ولایت فقیہ رکھا ہے .

جو لوگ ولایت فقیہ کو قبول نہیں کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ مندرجہ ذیل نظریوں میں سے کسی ایک کو قبول کریں :

۱ ۔ یا تو وہ قائل ہوں کہ : اسلام فقط نماز ، روزہ اور ایک طرح کی انفرادی عبادات و اخلاقیات کا نام ہے اور بس ، اور ، اجتماعی ، حقوقی ، عدالتی ، اقتصادی اور سیاسی جیسے اہم مسائل اس میں نہیں پائے جاتے ہیں .

۲ ۔ یا قائل ہوں کہ : اسلام تنہا زمانۂ رسولؐ سے مخصوص تھا . اس کہ بعد چھوڑ دیا گیا ہے اور ان کے مہم اجتماعی قوانین کی جگہ فقط کتابیں رہ گئی ہیں .

۳ ۔ یا قائل ہوں کہ : اسلام کے مہم ترین اجتماعی قوانین جاہل و فاسق کے ہاتھوں اجراء ہوں .

اگر مذکورہ بالا نظریات میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں ہے تو پھر اسی ولایت فقیہ کو قبول کریں جس کے ذریعہ خدا کے احکام ، باتقویٰ ، اسلام شناس اور روزانہ کے مسائل و حوادث سے آشنا فقہاء کے ذریعہ اجراء ہوں .

ہمیں یقین ہے کہ اس معنی میں کسی کو بھی ولایت فقیہ ، حکومت اور باتقویٰ اسلام شناس افراد کی نظارت قابل انکار نہ ہوگی .

کیا اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول نہیں ہے کہ قرآن میں معاشرہ کی تمام انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور کیا

حکومت ، حاکم اور نظام و مشکلات ایک معاشرہ کی مہمترین ضرورتوں میں سے نہیں ہے (اصول کافی جلد ا صفحہ ۵۹)

حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے : " خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میں دنیا سے نہیں جارہا ہوں مگر اس کے بعد کہ میں امت کی تمام ضرورتوں کو بیان کر چکا ہوں" آیا اسلامی معاشرہ ، حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ غیبت میں حکومت و حاکم کا محتاج نہیں ہے !؟ [۱]

حضرت امام رضاؑ اپنی کسی گفتگو کے ضمن میں مسئلہ رہبری کے بارے میں فرماتے ہیں : " کوئی ملت و امت ایسی نہیں ہے جو رہبر نہ رکھتی ہو ، ایک معاشرے کا قیام ایک رہبر کے وجود سے بستہ ہے تا کہ اس کے حکم سے بیت المال میں سال جمع اور تقسیم بھی ہو اور دشمنان خدا کے خلاف جنگ کے لیے اٹھ کھڑے بھی ہوں . اور لوگوں کو منظم بھی کرے اور تفرقہ سے بچائے بھی اور اگر کوئی معاشرہ ایسے رہبر سے محروم ہو تو معاشرہ ، بکھر جائے گا اور خدا کے قوانین ، الہی احکام اور رسول خداؐ کے دستورات بدل جائیں گے . (بحار جلد ۶ صفحہ ۶۰)

توجہ کیا آپ نے کہ حضرت امام رضاؑ کے بیان میں حکومت و رہبری کا مسئلہ زندگی کے مہمترین مسائل کے عنوان سے پیش ہوا ہے اور قابل ذکر ہے یہ بات کہ محروم طبقہ کی بھلائی کے لئے مالیات کا وصولی اور منصفانہ تقسیم کے محکمہ کا قیام

۱۔ کتاب البیع ، تحریر رہبر انقلاب اسلامی ، حضرت امام خمینیؒ صفحہ ۴۶۲ بنقل از وافی جلد ۱ صفحہ ۵۲۶.

مخالفین سے جنگ اور معاشرہ کو عزت و مقام دینا کوئی اہم بات نہیں ہے کہ جو تنہا معصوم اماموں کے زمانہ سے مربوط ہو اور زمانہ غیبت میں معاشرہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور کوئی حاکم و حکومت مذکورہ بالا مسائل کے لئے ضروری نہ ہو.

اب تک جو بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے معاشرہ کو بھی قبول کیا ہے اور حکومت و حاکم کو بھی. لیکن بحث یہ ہے کہ حکومت اور حاکم کے شرائط کا طریقہ کار کیا ہو، اور اس کو کیسا ہونا چاہیے.

بہت سی روایات اور عقلی دلائل کے مطابق اسلام نے حکومت کا بار ایک فقیہ عادل کے کاندھوں پر رکھا ہے لہذا ہم یہاں ان میں سے بعض روایات کے اہم گوشے بیان کرتے ہیں:

۱۔ حضرت رسول اکرمؐ نے فقہاء کو اپنا خلیفہ کہا ہے. [۱]

۲۔ حضرت امام موسی کاظمؑ نے فرمایا: فقہاء اسلام کے قلعے ہیں [۲]

۳۔ حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف نے (اپنے کسی نائب کے نام) خط میں ایک پیغام دیا، اس میں تاکید کی کہ زندگی کے مشکلات اور حوادث میں علماء اور ان دانشوروں کی طرف رجوع کرو جو ہمارے علوم نقل اور بیان کرتے ہیں کیونکہ میں نے ان کو تمہارے درمیان اپنی حجت قرار دیا ہے اور میں خود خدا کی حجت ہوں. [۳]

۱۔ وسائل جلد ۱۸ صفات قاضی / صفحہ ۱۰۱ / اللھم رحم خلفاق قیل یا رسول للہ و من خلفائک ؟ قال الفقھا.

۲۔ الفقھاء حصون الا سلام کتاب البیع للا مام الخمینی (رہ).

۳۔ ولما الحوادث الواقعہ فار جعوا فیھا لی رواۃ حدیثنا فانھم حجتی علیکم ولنا حجہ للہ و سائل جلد ۱۸ باب ۱۱

۴ ۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ اپنے مسائل اور مشکلات حل کرنے کے لئے طاغوتی نظام کے پاس جانا کیسا ہے ؟

امام نے فرمایا : ان کے نظام کے پاس لے جانا گویا خود طاغوت کے پاس رجوع کرنا ہے جو کہ ممنوع اور حرام ہے حتی اگر کوئی شخص اپنا مسلم حق طاغوتی نظام کے ذریعہ حاصل کرے تو حرام ہے .... [۱]

بلکہ ان جیسی صورتوں میں تمہارا وظیفہ یہ ہے کہ راہ حل تنہا ان لوگوں سے طلب کرو جو ہماری روایات اور علوم کی نسبت سناخت عمیق رکھتے ہوں . اس لئے کہ میں ان کو تمہارے لئے قاضی کے عنوان سے تعیین کرتا ہوں . لیکن یاد رکھو کہ اگر ان میں سے کسی ایک نے کوئی حکم صادر کیا لیکن تم لوگوں نے اس کو سبک سمجھا تو حقیقت میں تم نے گویا حکم خدا کو سبک سمجھا ہےاور جو شخص ان فقہاء کو رد کرے اس نے گویا ہم کو رد کردیا ہے اور ہمارا رد کرنا خدا کو رد کرنا ہے جو خدائے بزرگ سے شرک کے برابر ہے (وسائل جلد ۱۸ صفات قاضی /صفحہ ۹۹)

۵ ۔ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا : " علماء وارث انبیاءؑ ہیں . (وسائل جلد ۱۸/صفحہ ۵۳).

۶ ۔ خداوند منان نے علماء سے عہدو پیمان لیا ہے کہ وہ ظالم ستمگروں کی شکم سیری ، غارت گری اور محروم کی گرسنگی کے مقابل خاموش نہ بیٹھیں گے .(نہج البلاغہ /خطبہ شقشقیہ)

۱۔ شاید اس وجہ سے ہے کہ طاغوتی نظام کی طرف رجوع کرنا اس نظام کو قبول اور اس کی تقویت کا باعث نہ ہوجائے

یہ بات واضح ہے کہ معاشرہ میں مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی سرکوبی تشکیلات کی طاقت و محتاج ہے۔

۷ ۔ ان تمام چیزوں کے بارے میں ہمیں قرآن میں بھی تاکید ہے کہ معاشرہ میں عدالت و قسط سے کام لیں ،کیا معاشرہ میں عدالت قائم کرنا کسی حاکم و حکومت کے بغیر ممکن ہے ؟!!

۸ ۔ حضرت امام حسین ؑ فرماتے ہیں : " احکام اور تمام امور کا اجراء ان باتقوی ، خدا شناس علماء کے ہاتھوں انجام پانا چاہیے ۔ جو خدا کے حلال و حرام میں خیانت سے کام نہیں لیتے اور امانتوں کے محافظ ہیں ۔ (تحف العقول صفحہ ۲۴۲)

۹ ۔ حضرت علی ؑ فرماتے ہیں : " العلماء حکام علی الناس " علماء لوگوں پر حاکم ہیں ۔ (غرر الحکم بنقل از الحیاۃ ج ۲ / ص ۲ و ۳)

پس جو مطالب بیان ہوئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کو تمام امور میں ایک جامع الشرئط فقیہ کا پابند ہونا چاہیے کیونکہ حضرت امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے زمانہ غیبت میں فقہاء ائمہ معصومین علیہم السلام کی جانب سے رسمی طور پر نمایندے ہیں اور اگر فقہاء سے قدرت و ولایت چھین لی جائے تو الہی قوانین عوض اور معاشرہ میں طاغوتیت پھیل جائے گی ۔ دور کیوں جائیں اس انقلاب میں ملت ایران کی کامیابی کا اہمترین راز (لوگوں کا) ولایت فقیہ پر خصوصی توجہ کرنا تھا ، امام خمینی (رہ) جیسا جامع الشرائط فقیہ حکم دیتا تھا اور لوگ دل و جان سے اس پر عمل کرتے تھے ۔

ہمیں یاد ہونا چاہیے کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ مٹی کے تیل کا حل بند کردو اور سپاہ اور فوج اپنی چھاؤنیوں سے فرار کرجائیں . نقصانات کا جبران سہم امام اور اسلامی مالیات سے کیا جائے اپنے جان و مال کی حفاظت جاری رکھیں . تقریریں کرنے کے لئے شہر کی پولیس اور حکومت سے اجازت نہ لیں اور اگر وہ مسجدوں کو بند کردے تو سڑکوں پر عزا داری برپا کریں ، اگر وہ میرا فوٹو پھاڑ ڈالیں تو کوئی بات نہیں آرام سے بیٹھیں . ساواکیوں (شاہ حکومت کی مخفی پولیس) کو پچھنوائیں .

کیا یہ شاہ پہلوی خائن کے زمانے میں امام خمینی (رہ) کے احکامات اوران پر لوگوں کی لبیک و پیروی پہلوی حکومت کے سقوط و سرنگونی کی باعث نہیں ہوئی ہے ؟!!

ہم نے اب تک ولایت فقیہ کے درخت سے کتنے پھل توڑے ہیں ، فقیہ عادل تو حضرت علیؑ اور رسول خداؐ کا نمایندہ ہے (سربلندی اور) پاکیزگی کی دلیل ہے کہ اگر اس کے حکم سے ہمارے جو ان شھید ہوگئے ہیں تو ہمیں دلسرد اور غمگین نہیں ہونا چاہیے .

سچ بتائیں ! کیا دوسری طاقتیں ایسی ہیں کہ جو احکامات جاری کریں اور نتیجہ میں اتنے لوگ شھید ہو جائیں لیکن اس پر ان کے والی و وارث کہیں کہ ہمارے جوانوں کی پوری عمر بھی امام خمینیؒ کی عمر مبارک پر ایک سکنڈ کے لئے نچھاور ہوجائے (تو ہمارے لئے کافی ہے) .

یہ معنوی کشش اسلام اور اس شخص سے عشق کے علاوہ کہ جس نے اپنی پوری زندگی اسلام پر عمل ، تبلیغ اور شناخت کی راہ میں صرف کردی ہو ، کسی

دوسرے شخص اور جگہ دیکھنے میں نہیں آتی ہے . میں نہیں جانتا ہوں کہ جو لوگ ولایت فقیہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کا ہدف کیا ہے ؟

کیا وہ اس کے قائل ہیں کہ مسلمانوں کو حکومت اور نظام کی ضرورت نہیں ہے ؟

کیا وہ اس کے قائل ہیں کہ نظام تو ضروری ہے لیکن کسی والی ، ناظم اور حاکم کی ضرورت نہیں ہے ؟

کیا وہ اس کے قائل ہیں کہ لوگوں کا حاکم ایک غیر اسلام شناس ہو ؟

کیا وہ قائل ہیں کہ حاکم ایک فقیہ اور اسلام شناس ہو لیکن ضروری نہیں ہے کہ وہ عدالت و تقوی بھی رکھتا ہو ؟

کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ولایت فقیہ کا طبقہ ایک مطلق الغاں قسم کا طبقہ ہے ؟

کیا فقیہ ایک خاص طبقہ سے تعلق رکھتا ہے ؟

کیا خود خواہی فقیہ سے عدالت سلب ہوجانے کی باعث نہیں ہے کہ اس صورت میں اس کی معاشرہ میں ولایت بھی ختم ہو جائے گی .

کیا ولایت فقیہ کا قبول کرنا ، طاقت کے متعدد مرکز کا باعث ہے ؟

جب کہ تمام طاقتیں غیر اسلامی اور انحرافی جہت پیدا نہ کریں بلکہ فقیہ عادل کے راستہ سے گذر کر آئیں تو اس صورت میں تمام طاقتیں فقیہ کی جانب سے وجود میں آئیں گی .

بنابراین طاقتیں بھی متعدد نہ ہونگی بلکہ تنہا ایک طاقت ہوگی اور وہ بھی الہی اور آسمانی طاقت کہ جو فقیہ عادل کے توسط سے ظہور میں آئے گی.

ہم ولایت فقیہ کے مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ اگر آپ امت کا ہاتھ فقیہ اول کے ہاتھوں سے کھینچ لیں تو پھر کس کے ہاتھ میں دیں گے ؟

ہم پوچھتے ہیں کہ اب تک آپ کتنے عادل فقہاء کو جانتے ہیں جو شرق یا غرب سے وابستہ اور وطن فروش ہوں ؟

ہم سوال کرتے ہیں ، ان چند سالوں میں جب سے لوگوں نے ولایت فقیہ کو قبول کیا ہے انھوں نے کونسا نقصان اٹھایا ہے اور کس چیز سے محروم رہ گئے ہیں ؟

ہم پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیا اپنے امور میں تقلید نہیں کرنا چاہیے ، کیا تقلید کے موارد فقط عبادت کے مسائل ہیں ؟ کیا ہڑتال ، حفاظت ، مظاہرے ، جنگ ، حساب کتاب ، قرار داد اور نصب و معزول سے متعلق جیسے اجتماعی و سیاسی مسائل میں حلال و حرام کا احتمال نہیں پایا جاتا ہے اور کیا جس موضوع میں بھی حلال و

حرام کا احتمال ہو اس میں ہمیں تقلید نہیں کرنا چاہیے ؟

کیا مسلمان امت کی رہبری کو کسی غیر اسلام شناس کو سونپنا ایسے ہی نہیں ہے جیسے میڈیکل (ہسپتال) کو کسی جاہل آدمی کے سپرد کر دیا جائے ؟

کیا امت کو کسی ظالم گنہگار کو سونپنا مقام انسانیت کے ساتھ خیانت نہیں ہے؟

کیا ہم ولایت فقیہ کے وجود کی وجہ سے جوامع بشری میں تمام لوگوں سے سرفراز نہیں ہیں ؟

کیا ہم دنیا کو چیلنج نہیں کرسکتے ہیں کہ تنہا ہماری رہبری کی صلاحیت وہی لوگ رکھتے ہیں جو خاص علم و تقوی سے مزین ہوں ؟

کیا وہ وقت نہیں آگیا ہے جب سیاست دانوں اور موقع سے فائدہ اٹھانے والوں کی غیر منصفانہ رہبری سے نجات پاکر ، اپنے کو اسلام کے دامن میں پناہ اور تنہا اس رہبری کو قبول کریں جو وحی کے معیاروں سے مطابقت رکھتی ہو ؟

میں معذرت چاہتا ہوں کہ بحث تھوڑی طویل ہوگئی لیکن حیف ہے کہ ہم امامت پر کتابچہ تو لکھیں سکیں حضرت امام مہدی ارواحنالہ الفداء کے زمانہ غیبت میں معاشرہ کی رہبری و امامت کے بارے میں کچھ نہ لکھیں ،(آخر میں) خداوند متعال سے تمام لوگوں کے لئے اخلاص و برکت کا خواہا ہوں .

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ .